- مشائخ سلسلہ نقشبندیہ کا تعارف
- مراقبہ کی اہمیت
- ذکر قلبی کے تین بڑے فوائد
- باطنی بیماریاں اور ان کی اصلاح
- اسلامی طرزِ زندگی
- شہادت سیدنا حسینؓ حقائق کی روشنی میں
- رحمتِ الٰہی سے فائدہ اٹھایئے
- خواتینِ اسلام کا علمی ذوق
- استقامت پر اللہ کا انعام

پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مکتبۃ الفقیر

خطباتِ فقیر

38

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

نام کتاب
خطباتِ فقیر 33

از افادات
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب
مولانا محمد حنیف نقشبندی

پروف ریڈنگ وتخریج
دارالتصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اشاعت اول
اگست 2012ء

اشاعت چہارم
اگست 2015ء

تعداد
1100

041-2618003,041-2649680
0300-9652292,0322-8669680
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com

مراقبہ کی اہمیت

ذکرِ قلبی کے تین بڑے فائدے

باطنی بیماریاں اور ان کی اصلاح

اسلامی طرزِ زندگی

شہادتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حقائق کی روشنی میں

رحمتِ الٰہی سے فائدہ اٹھایئے

خواتینِ اسلام کا علمی ذوق

استقامت پر اللہ کا انعام

مشائخِ سلسلہ نقشبندیہ کا تعارف

مشائخِ سلسلہ نقشبندیہ کا تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبۃ:۱۱۹)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

سلسلۂ نقشبندیہ کا امتیاز:

سلسلۂ نقشبندیہ اتباعِ سنت کی وجہ سے دوسرے تمام سلاسل سے ممتاز ہے۔ سب سلاسل حق ہیں، تاہم جیسے ہر پھول کا رنگ اور خوشبو جدا ہوتی ہے، اسی طرح اللہ نے اس سلسلے کو بھی کچھ خاص کمالات سے نوازا ہے۔ دوسرے سلاسل میں لسانی ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ ہمارے سلسلہ میں ذکرِ قلبی پر زور دیا جاتا ہے۔

دوسرے سلاسل کے حضرات فرماتے ہیں کہ ہم ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے

سلوک طے کرواتے ہیں، جبکہ ہمارے حضرات فرماتے ہیں، کہ ہم اتباعِ سنت کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں، اتباعِ سنت ہمارے اس سلسلے کا ایک امتیازی وصف ہے۔

ہم ٹپکے کے آم کی طرح نہیں:

دیکھیں! جب آموں کا موسم آتا ہے تو یہ آم اپنی نسل کے نام سے بکتے ہیں، اگر نام کے ساتھ آم بکیں تو ان کے دام زیادہ ملتے ہیں۔ بسا اوقات پرندے باغ میں آ کر آم توڑ دیتے ہیں، اس طرح جو نیچے گر جاتے ہیں ان کو باغ کا مالی اکٹھا کر کے اپنی پیٹی بناتا ہے اور پھر بازار میں لا کر فروخت کرتا ہے۔ چونکہ اس کی نسل کا پتہ نہیں ہوتا، اس کے شجرے کا پتہ نہیں ہوتا، اس لیے اس کے دام تھوڑے ملتے ہیں۔ بازار میں اسے ''ٹپکے کا آم'' کہتے ہیں۔

دوستو! ہم ٹپکے کے آم کے مانند نہیں، کہ ہمیں اپنے شجرۂ نسب کا پتہ ہی نہ ہو، ہمیں اپنے اکابرین کا پتہ ہے، ایک ایک ہستی کے بارے میں پتہ ہے، کہ ہمارا علمی تعلق کن حضرات کے ساتھ ہے؟ اور ہمیں اپنے مشائخ کا بھی پتہ ہے کہ ہمارا روحانی تعلق کن حضرات کے ساتھ ہے؟ ہم کوئی ٹپکے کے آم نہیں ہیں کہ پتہ ہی نہ ہو کہ ہم کیا ہیں، اور کیا نہیں ہیں۔

عاجز اس محفل میں اپنے بزرگوں کا مختصر سا تعارف پیش کرے گا، تاکہ سالکینِ طریقت کو پتہ رہے کہ ہمارے وہ آباؤ اجداد جن سے ہمارا روحانی تعلق ہے، وہ کیسی عظیم ہستیاں گزری ہیں!

سلسلۂ نقشبندیہ میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما کا فیض:

دوسرے سلاسل میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ واسطہ بنتے ہیں اور ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما واسطہ بنتے ہیں۔ دوسرے سلاسل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ان سے آگے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوراً بعد تابعین کا نمبر آ گیا، لیکن ہمارا سلسلہ وہ سلسلہ ہے جس میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما کے نام آتے ہیں۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو طرح کے کمالات حاصل کیے، ایک کو کمالاتِ نبوت کہتے ہیں اور دوسرے کو کمالاتِ ولایت کہتے ہیں۔ کمالاتِ نبوت سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیکھے اور کمالاتِ ولایت سب سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اخذ کیے۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا ہے، میں نے اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیا۔'' (مکتوبات معصومیہ، روح البیان)

گویا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نسبت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو منتقل ہوئی۔

یہ سِلْسِلَۃُ الذَّھَب سونے کی کڑیوں کا بنا ہوا سلسلہ ہے۔ ''سلسلہ'' کا مطلب ہے ''زنجیر''۔ چونکہ مشائخ کے دل روحانی طور پر ایک دوسرے سے منتھی ہوتے ہیں، اس لیے اس کو ''سلسلہ'' کہتے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی بیعت ہو تو اس کا دل روحانی طور پر اپنے شیخ کے دل کے ساتھ منتھی ہو جاتا ہے۔ پھر اس شیخ کا دل اپنے شیخ سے، پھر ان کا دل اپنے شیخ سے منتھی ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتے چلتے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے جا

ملتا ہے۔ یہ بھی اس سلسلے کا اعزاز ہے کہ انبیاءؑ کے بعد پوری کائناتِ انسانیت میں جو سب سے کامل ترین ہستی تھیں، وہ اس سلسلہ کے سرخیل امام بنے۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فوقیت:

دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں چار آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اور خلافتِ راشدہ بھی چار حضرات کو ملی۔ پھر دیکھیے! بدر کے دن تین سو تیرہ بدری صحابہ تھے اور انبیاءؑ میں سے جو اولو العزم انبیاءؑ گزرے ہیں ان کی تعداد بھی تین سو تیرہ کے برابر تھی۔ پھر جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنے کا شرف حاصل کیا ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اور انبیاءؑ کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کے کمالات ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے حوالے فرما دیے۔ چنانچہ ہر صحابی کسی نہ کسی نبی کے کمالات کا حامل بنا۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ﴾ (کشف الخفاء: ۱/۱۳۲)

”میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔“

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس جماعت میں سے بھی سب سے زیادہ کامل تھے، ان کی ایسی زندگی تھی کہ انسان سوچ کر حیران ہوتا ہے۔

عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار ہستی:

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی تھی کہ جب ہجرت کا حکم ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے گھر تشریف لائے۔ ابھی دستک دی ہی تھی کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فوراً باہر آئے،

ایسے جیسے پہلے سے ہی جاگ رہے ہوں۔ پوچھا: ''ابوبکر! کیا جاگ رہے تھے؟'' عرض کی: ''جی اللہ کے نبی ﷺ! میں جاگ رہا تھا۔'' کیوں؟ عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے کچھ عرصہ سے یوں محسوس ہورہا تھا، کہ آپ کو ہجرت کا حکم ہوگا اور دل میں یہ خیال تھا، کہ آپ ہجرت کرتے ہوئے اس عاجز کو اپنے خادم کے طور پر قبول فرمائیں گے۔ جس دن سے یہ خیال آیا، ابوبکر نے رات کو سونا چھوڑ دیا کہ کہیں اللہ کے محبوب ﷺ کو ابوبکر کے دروازے پر آکر انتظار نہ کرنا پڑ جائے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ پوچھا گیا: ''کیوں رو رہے ہیں؟'' فرمایا: ''اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے پاس کچھ مال ہے، جو میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر میں دوں گا تو دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ میں اپنے محبوب ﷺ کی اتنی بے ادبی بھی پسند نہیں کرتا۔ اے اللہ! تو میرے محبوب ﷺ کے دل میں یہ بات پیدا کر دے، کہ وہ ابوبکر کے مال کو اپنا مال سمجھ کر خرچ کیا کریں۔'' (عشقِ نبوی ﷺ کے ایمان افروز واقعات: ص ۴۹)

یہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسے کمالاتِ نبوت حاصل کیے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی ایک اور دلیل:

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالات کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے، کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ﴾ (مسند البزار، رقم: ۸۹۴۹)

''مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

ان مکارمِ اخلاق میں سے احسان کا بدلہ دینا، ایک بہت ہی اچھا خلق ہے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے ہی مبعوث ہوئے ہیں تو اس احسان کا بدلہ دینے والی بات پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ضرور ہوگا، بلکہ کائنات میں اس پر سب سے کامل عمل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی ہوگا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر احسان کا بدلہ دینے والا دنیا میں کوئی اور گزرا ہی نہیں ہوگا، مگر عجیب بات ہے کہ احسان کرنے والوں میں سے ایک ایسے بھی احسان کرنے والے تھے، کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے احسانات کو دیکھ کر اپنی مبارک زبان سے فرما دیا: ''میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا، مگر ابوبکر کے احسان کا بدلہ اللہ دے گا۔'' (ترمذی، رقم:۳۶۶۱)

واہ ابوبکر! تیری عظمتوں کو سلام! تو نے بھی نبوت پر کتنی قربانیاں دیں، کہ زبانِ نبوت جو احسان کا بدلہ دینے میں کمال رکھتی تھی، اس کو کہنا پڑا کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا ہے، مگر ابوبکر کے احسان کا بدلہ اللہ دے گا۔ اللہ اکبر!!

؎ خدا ہی وفاؤں کے بدلے میں اس کی
کرے گا قیامت کے دن حق ادائی

(۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

پھر ان سے یہ نسبت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ اصحابِ صفہ کے سرداروں میں سے تھے، وہ جو فقراء کی جماعت تھی، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا مدرسہ تھا، یہ اس جماعت کے مانیٹر تھے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی قربانیاں دیکھ کر ان پر اتنا پیار آتا تھا،

کہ بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان تو ہمارے لیے اہلِ بیت میں سے ہے۔'' (المستدرک، رقم: ۶۵۳۹) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی استقامت کے بارے میں فرمایا: ''اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو بھی ان کی قوم میں سے کچھ لوگ وہاں تک پہنچ جاتے۔'' (صحیح مسلم: ۱۹۹۷)

یہ نسبت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اور ان سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو منتقل ہوئی۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو نسبت نہیں ملی۔ سب صحابہ صاحبِ نسبت تھے، مگر ہم بات کر رہے ہیں اپنے سلسلے کی، جس لڑی میں ہم پروئے ہوئے ہیں، وہ تو ہار ہے، اس میں کئی مالائیں اکٹھی پروئی ہوئی ہیں۔ جو شاخ ہمیں اپنے درخت کے تنے سے ملا رہی ہے، ہم اس ٹہنی کی بات کر رہے ہیں۔ کہیں آپ کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام نہیں آیا۔ وہ بھی صاحبِ نسبت تھے، مگر ان کی نسبت کسی اور طریقے سے منتقل ہوئی۔

(۳) حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ نسبت حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتقل ہوئی۔ یہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ فقہائے سبعہ (مدینہ کے سات فقہا) میں سے ایک تھے۔ ان کے کمالات کا یہ عالم تھا کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''اگر قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے دور میں ہوتے تو میں اپنے سر سے خلافت کا تاج اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیتا۔'' کیا تقویٰ تھا! اور کیا علم تھا ان کا! سبحان اللہ!!

(۴) حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ جن کو امام جعفر صادق کہا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑے کامل بزرگ ہستی تھے۔ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد تھے، بلکہ ان کے پیرو مرشد تھے۔ امام اعظم ان کی خدمت میں آتے جاتے رہے اور دو سال کے بعد کہا:

''لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ.'' (سوانح بے بہائے امام اعظم)

''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو ابو حنیفہ تو ہلاک ہی ہو جاتا۔''

حنفی فقہ میں بھی ان کے فیوضات چل رہے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اسے کھولا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فقہ شافعی میں کمالاتِ ولایت جاری ہیں اور فقہ حنفی میں کمالاتِ نبوت جاری ہیں۔ انہوں نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔

یہ پانچ حضرات مدینہ میں گزرے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پانچویں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد یہ نسبت وسطِ ایشیا میں منتقل ہوئی اور جس ہستی کو ملی ان کا نام تھا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے تھے:

''هٰذَا الرَّجُلُ الْخُرَاسَانِيُّ يَعْنِيْ اَبَا يَزِيْدَ بَيْنَنَا كَجِبْرِيْلَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ.''

(تذکرۃ الاولیاء/ ۱۸۳)

''بایزید ہمارے درمیان وہ مقام رکھتے ہیں، جو فرشتوں میں جبریلؑ کا ہے۔''
اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا مقام عطا تھا! ''بسطام'' ایک جگہ ہے جو بخارا سے تقریبا ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس عاجز کو وہاں حاضری کی توفیق نصیب ہو چکی ہے۔

(۶) حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی۔ خرقان بسطام سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں۔ ان کی وادی میں یہ بستی آباد ہے۔ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے۔ ان کے بڑے واقعات ہیں۔ دو چار واقعات آپ حضرات کی دلچسپی کے لیے عرض کر دیتا ہوں۔

خانقاہ میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد:

یہ درویش منش تھے۔ فقیرانہ رنگ تھا۔ اپنے رنگ میں ''اَللّٰہ ھُو'' میں لگے رہتے تھے۔ ان کے پاس سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ آیا، کہ چلو میں کسی اللہ والے کی زیارت کرتا ہوں۔ وہ اپنے ساتھ دینار کی تھیلی بھر کر لایا۔ جب ملنے کے لیے آیا تو حضرت بیٹھے رہے۔ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ وقت کا بادشاہ ملنے کے لیے آیا اور آپ نے ذرا ان کا اکرام نہیں کیا، اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اس نے آ کر حضرت سے گفتگو کی اور جاتے ہوئے وہ تھیلی ہدیہ دے کر جانے لگا۔ حضرت نے فرمایا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا: ''نہیں، حضرت! قبول فرما لیجیے!'' آپ نے فرمایا: ''نہیں، میں یہ ہدیہ قبول

نہیں کرتا۔'' عذر پیش کیا۔ اس نے پھر اصرار کیا کہ حضرت! قبول کر لیجیے! حضرت نے اس کے جواب میں ایک خشک روٹی پڑی تھی، وہ کھانے کے لیے پیش کی۔ جب اس نے لقمہ کھایا تو وہ حلق میں اٹک گیا۔ اب وہ نہ اندر جاتا ہے، نہ باہر آتا ہے۔ حضرت نے حالت دیکھی تو پوچھا: ''کیا ہوا؟'' کہنے لگا: ''حضرت! یہ لقمہ حلق میں اٹک گیا ہے، اندر نہیں جارہا۔'' فرمایا: ''جس طرح تمہارے حلق میں یہ روٹی کا ٹکڑا اٹک گیا ہے، اسی طرح تمہاری یہ تھیلی بھی میرے حلق میں اٹکی ہوئی ہے۔'' آپ کا خیال تھا کہ وہ سمجھ جائے گا، مگر وہ تو بادشاہ تھا۔ لوگوں کے درمیان سرخرو ہونا چاہتا تھا۔ اس نے پھر اصرار کیا کہ حضرت! رکھ لیجیے! حضرت کو جلال آیا، آپ نے اس تھیلی کو اپنے ہاتھ میں لیا اور زور سے نچوڑا تو اس کے اندر سے خون کے قطرے گرنے لگے، فرمایا: ''کیا تو غرباء، یتیموں اور لوگوں کا نچوڑا ہوا مال ہمیں ہدیہ کے طور پر پیش کرنے کے لیے آیا ہے؟'' جب حضرت نے یہ بات کہی تو وہ ڈر گیا، اب اس کا انداز بدل گیا۔ اسے پتہ چل گیا کہ یہاں تو معاملہ کوئی اور ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے حضرت سے بیعت کا تعلق اختیار کیا۔ جب وہ جانے لگا تو حضرت اس کو چھوڑنے کے لیے خانقاہ کے باہر کی حد تک تشریف لے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: ''حضرت! جب وہ آیا تھا، تب آپ مصلے پر بیٹھے رہے اور جب وہ جانے لگے تو خانقاہ کے باہر تک چھوڑنے آئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟'' فرمایا: ''جب وہ آیا تو دل میں ''انا'' لے کر آیا تھا۔ میں نے اس کی ''انا'' کو توڑا۔ جب وہ یہاں بیٹھا تو دل میں فقراء کی محبت پیدا ہوگئی، اس محبت کے اکرام میں، میں اس کو باہر خانقاہ کی حد تک چھوڑ کے آیا۔'' سبحان اللہ! کیسی للّٰہیت تھی!

حضرت کا استغنا:

ایک مرتبہ حضرت نے چلہ کاٹا۔ ذکر واذکار میں چالیس دن گزارے۔ وہ ایسا دور تھا جس میں کچی زمینیں ہوتی تھیں، تو لوگ بھی اس دور میں بغیر پنکھوں کے بیٹھے ہوتے تھے، بجلی کے پنکھے تو تھے نہیں۔ چنانچہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں، پسینہ آیا ہوا ہے، عجیب حالت بنی ہوئی ہے۔ جب سارے لوگ فارغ ہوئے تو حضرت نے فرمایا: ''کل جمعہ ہے، تیاری کرو، کل ہم جمعہ کی نماز ادا کریں گے۔'' فقرا نے تیاری شروع کر دی۔ کوئی جھاڑو دے رہا ہے، کوئی کپڑے دھو رہا ہے اور حضرت ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو سر میں کافی خارش سی محسوس ہو رہی تھی۔ جب حضرت کو خارش محسوس ہوئی تو حضرت نے ایک شاگرد کو بلایا اور کہا: ''ذرا میرے سر میں جوئیں تو دیکھو! یہ خارش ہے یا جوئیں ہیں؟'' گرمیوں میں عام طور پر خشکی کی وجہ سے بھی خارش ہوتی ہے، یا جوؤں کی وجہ سے خارش ہو جاتی ہے۔ اگر صابن استعمال نہ کیا جائے اور پسینہ آتا رہے تو سر میں جوؤں کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی...... آج کا کوئی مرید ہوتا تو بھاگ جاتا، کہتا کہ وہ کیسا پیر ہے، جس کے سر میں جوئیں پڑ گئی ہوں؟ لیکن وہ پکے سچے مرید تھے، وہ سمجھتے تھے کہ انسانی تقاضے ہر ایک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں...... شاگرد آیا اور اس نے آکر آپ کے بالوں میں دیکھنا شروع کر دیا۔

حضرت ابھی بیٹھے ہوئے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی وہاں جا پہنچا۔ جب باہر کے فقرا نے دیکھا کہ سلطان محمود غزنوی آیا ہے اور ابھی کپڑے جھاڑنے کی وجہ سے گرد اڑ رہی ہے، تو وہ بڑے پریشان ہوئے کہ بادشاہ سلامت آرہے ہیں اور یہاں ہر طرف مٹی ہی مٹی ہے، وہ تو ناراض ہوں گے۔ ان میں سے ایک بھاگا کہ میں حضرت کو جا کر بتا

آؤں۔ چنانچہ جب بھاگ کر آیا تو اس نے اندر آ کر دیکھا کہ حضرت تو آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک طالبِ علم ان کے سر کے بال ٹٹول رہا ہے، کہ کہیں ان میں جوئیں تو نہیں۔ چنانچہ اس نے اشارے سے بتایا کہ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں تو جو شاگرد بال ٹٹول رہا تھا، اس نے کہا: ''حضرت! حضرت!'' جب اس نے ہلایا تو حضرت نے اس کی طرف توجہ فرمائی، جلدی سے کہنے لگا: ''حضرت! بادشاہ سلامت آ رہے ہیں!'' حضرت نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''اوہو! میں سمجھا کوئی بڑی سی جوں تیرے ہاتھ آ گئی ہے۔'' ان کو یوں استغناء حاصل تھا۔

خانقاہ کا ادب اور اس کا ثمرہ:

ادھر سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ آیا تو آگے مٹی اڑ رہی تھی۔ اس نے اس مٹی کو اپنے ہاتھوں پہ لیا اور اپنے چہرے پہ ملا، کہنے لگا: ''یہ اللہ والوں کے لباس سے لگی مٹی ہے، میں اس سے برکت حاصل کرتا ہوں۔'' کسی نے وفات کے بعد سلطان محمود غزنوی کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ تیرا آگے کیا بنا؟ کہنے لگا: ''میرے اور تو کوئی عمل قبول نہ ہوئے، بس ایک عمل اللہ کو پسند آیا۔'' پوچھا: ''وہ کون سا؟'' کہنے لگا: ''شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پہ حاضر ہوا، فقرا کے کپڑوں کی مٹی اڑ رہی تھی۔ میں نے ادب اور عقیدت کی وجہ سے اس مٹی کو چہرے پہ مل لیا۔ پروردگار نے فرمایا: ''محمود غزنوی! میں تیرے چہرے کو جہنم کی آگ میں کیسے جلاؤں؟'' اس ادب پر اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔''

حضرت کے جبہ کی برکت:

سلطان محمود غزنوی سومنات پر بار بار حملہ کرتا ہے، مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ بالآخر حضرت

کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا: ''حضرت! دعا فرمایئے!'' حضرت نے فرمایا: ''بہت اچھا!'' اوران کو اپنا ایک کرتہ دے دیا۔ کہا، کہ یہ کرتہ لے جاؤ، جب بھی تمہیں کوئی مشکل درپیش ہوتو دو رکعت نفل پڑھنا اور پروردگار سے دعا مانگنا ''ربِ کریم! اگر اس جبے والے کا تیرے ہاں کوئی مقام ہے، تیرے ہاں کوئی قبولیت ہے، تو اس کی برکت سے تو مشکل کو آسان فرما۔'' ......سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھی اپنا جبہ بھیجا تھا، فرمایا تھا:

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ﴾ (یوسف: ۹۳)

اپنی قمیص بھیجی تھی۔ وہیں بیٹھ کر دعا کر سکتے تھے......تو انہوں نے اپنا جبہ دے دیا۔ سلطان محمود نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

چنانچہ جب سومنات پر حملہ کیا تو سامنے تمام ہندو اور کفار نے ایکا کر لیا۔ بڑے زور کی جنگ ہوئی، حتیٰ کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ سلطان محمود بڑا پریشان ہوا۔ وضو اس کا تھا، پیچھے ہٹا اور پیچھے ہٹ کر اس نے دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھی اور جبہ اپنے سامنے رکھ کر دعا مانگی، اے اللہ! اگر اس جبے والے بندے کا تیرے ہاں کوئی مقام ہے تو اس کی برکت سے مجھے سومنات کا فاتح بنا دے۔ اللہ رب العزت نے جنگ کا ایسا پانسہ پلٹا کہ وہ سومنات کا فاتح بن گیا۔

کچھ وقت گزرا، حالات ٹھیک ہو گئے تو وہ آیا کہ میں حضرت کی خدمت میں جا کر مبارکباد عرض کروں، چنانچہ وہ حضرت کے پاس آیا اور حالات بتانے لگا۔ حضرت نے پوچھا: ''سلطان محمود! کیا دعا مانگی تھی؟'' عرض کرنے لگا: ''حضرت! دعا مانگی تھی ''رب کریم! سومنات کا فاتح بنا دے۔'' حضرت نے فرمایا: ''سلطان محمود تو نے تھوڑی سی قیمت لگائی، اگر تو دعا کرتا کہ اللہ! مجھے دنیا کا فاتح بنا دے تو اللہ رب العزت تجھے پوری

دنیا کا فاتح بنا دیتے۔''

(۷) حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی...... خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مربی اور پیر و مرشد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات پر ایک چھوٹا سا کتابچہ (رسالہ) لکھا۔ اس میں انہوں نے اپنے قلم سے لکھا کہ میں نے علومِ ظاہری اور علومِ باطنی خواجہ بوعلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں نے طریقۂ نقشبندیہ کے مطابق کمالات حاصل کیے۔

اس دور میں اس کو ''سلسلۂ صدیقیہ'' کہا جاتا تھا۔ تو انہوں نے سلسلۂ صدیقیہ کا نام لکھا کہ میں نے سلسلۂ صدیقیہ کے مطابق حاصل کیے۔ اس وقت یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو اور ان سے یہ نسبت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ درمیان میں ایک شیخ آتے ہیں، مولانا قاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے ان سے تربیت تو پائی، مگر نسبت دوسری طرف سے منتقل ہوئی۔ اس لیے جب ان کے اساتذہ کا نام آتا ہے، تو اس میں حضرت خواجہ قاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے، لیکن جہاں نسبت منتقل ہوتی ہے وہاں ڈائریکٹ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے۔

اس کی مثال ایسے سمجھیے! کہ اس عاجز کی بیعت حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے

تھی۔ گیارہ سال ان سے بیعت کا تعلق رہا۔ اسباق تو انہوں نے جہاں تک نصیب میں تھے، طے کروائے، مگر اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد چکوال میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی نسبت ہوئی۔ فقط دو سال کے اندر انہوں نے اجازت و خلافت دے دی۔ اب جہاں خلافت کا نام آئے گا وہاں خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا نام آئے گا اور جہاں اساتذہ کا نام آئے گا وہاں سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام آئے گا۔

یہ ہمارے آباؤ اجداد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ہستی کا نام ذہن کی سطح پر نقش ہے۔

(۸) حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت آگے خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ ''ہمدان'' ترکمانستان میں ایک علاقہ ہے، وہیں کے ایک بزرگ تھے جو کشمیر آئے اور انہوں نے آکر کشمیریوں کو مسلمان کیا۔ اور آج کشمیری ہر سال ''شاہِ ہمدان'' کے نام سے ایک دن منایا کرتے ہیں۔ یہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ ایک خاص بزرگ ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے علمِ ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے تھے۔ علمِ تفسیر میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ان کو حضرت خواجہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات کے استاد ہونے کا شرف نصیب ہے۔ یہ بات سننے کے قابل ہے۔

یہ وہ بزرگ ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی چھ مہینے ان کی صحبت میں جا کر فیض حاصل کرتے رہے اور خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ چار مہینے ان کی صحبت میں جا کر فیض

حاصل کرتے رہے۔ان دونوں حضرات کے پیرِ تعلیم ہونے کا ان کو شرف نصیب ہے۔

(۹) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت آگے خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ ''غجدوان'' بخارا سے تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔آج بھی اس شہر کا نام غجدوان ہے۔یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور ان کو خضر علیہ السلام نے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' کا ذکر کرنا سکھایا۔جس کو ''حبسِ دم'' کا ذکر کہا جاتا ہے۔ہمارے مشائخ اس کو سلسلۂ نقشبندیہ کے سلوک کا ''مکھن'' کہتے ہیں۔اس دور میں ان کے اتنے مریدین تھے کہ ان کا لقب ''خواجۂ جہاں'' پڑ گیا۔جب پہلی دفعہ یہ عاجز غجدوان گیا تو میں لوگوں سے پوچھ رہا تھا، کہ حضرت عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا: ''کون عبدالخالق؟'' تھوڑی دیر بعد میری زبان سے نکلا کہ ''خواجۂ جہاں'' تو وہ کہنے لگے، کہ آپ شروع سے ہی یہ بات کہتے تو ہمیں پتہ چلتا۔معلوم ہوا کہ مقامی لوگ عبدالخالق کے نام سے ان کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا ''خواجہُ جہاں'' کے نام سے پہچانتے ہیں۔خواجہ ُجہاں کا مطلب ہے ''سارے جہان کا پیر'' سبحان اللہ!

(۱۰) حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت منتقل ہوئی حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ کو۔ ''ریوگر'' تاجکستان میں ایک قصبہ ہے۔وہاں پر حضرت کی پیدائش

ہوئی اور وہیں پر وفات ہوئی۔ اس عاجز کو وہاں حاضری کی توفیق نصیب ہوئی۔ وہاں پر ایک عجیب بات دیکھی کہ ان کی خانقاہ کی دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ مستری نے دیوار بناتے ہوئے اینٹوں کو ایسے جوڑا کہ ہر چند اینٹوں کو ملائیں تو ''اللہ'' کا نام بنتا ہے۔ انہوں نے سالکین کے دلوں میں اللہ کی محبت اتنی بھر دی تھی کہ دیواریں چنا کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں سے اینٹوں میں ''اللہ'' کا نام لکھا جاتا تھا۔ دنیا میں اور کہیں ایسی جگہ نہیں دیکھی کہ اینٹیں بھی جوڑتے گئے اور اللہ کا نام بھی لکھتے چلے گئے۔

(۱۱) حضرت خواجہ محمود انجیرِ فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت حضرت خواجہ محمود انجیرِ فغنوی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ ''فغنہ'' بخارا سے قریباً ۳۵ میل کے فاصلے پر ایک علاقہ ہے۔ اس کی انجیریں بڑی پسندیدہ ہیں، ذائقہ بڑا اچھا ہے۔ چونکہ یہ اس علاقہ کے بزرگ تھے، اس لیے لوگوں نے ان کو محبت میں ''انجیرِ فغنہ'' کہنا شروع کر دیا اور اس طرح ان کا یہ نام مشہور ہو گیا۔

(۱۲) حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت آگے خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ ''فغنہ'' شہر سے کچھ فاصلے پر ''رامیتن'' ایک قصبہ ہے، جس میں وہ رہتے تھے۔ علی نام تھا اور عزیزان تخلص تھا۔ فارسی میں اشعار کہتے اور عزیزان کا تخلص استعمال کرتے تھے۔

آج کل بھی ان کے علاقے کا نام ''رامیتن'' ہے۔ یہ نام کیسے پڑا؟ ان کے وقت میں بادشاہ کی بیٹی بیمار ہوگئی۔ جسم پر کچھ دانے نکل آئے، حکیموں سے بڑا علاج کروایا، مگر شفا نہیں ہوتی تھی۔ کسی نے کہا: ''آپ اللہ والوں سے دعالیں۔'' چنانچہ وہ بیٹی کو لے کر ان کے پاس آیا۔ حضرت نے پانی دم کر کے دے دیا اور فرمایا، کہ بچی سے کہو کہ وہ اس سے غسل کرے، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمادیں گے۔ جب اس بچی نے غسل کیا تو شفایاب ہوگئی۔ سارے علاقے میں یہ بات مشہور ہوگئی، کہ فلاں جگہ سے بادشاہ کی بیٹی کو شفا ہوئی ہے، اس لیے اس جگہ کا نام ''آرامِ تن'' پڑ گیا۔ تن کا مطلب جسم، یعنی جسم کو آرام ملا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ''رامیتن'' مشہور ہوگیا۔ آج بھی اس علاقے کو ''رامیتن'' کہتے ہیں۔ ان کے فارسی کے اشعار بڑے عجیب ہیں۔

(۱۳) حضرت خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت منتقل ہوئی۔ حضرت خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کو ''رامیتن'' سے کچھ فاصلے پر حضرت خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ہے۔ یہ ہر وقت ''اللہ اللہ'' کرتے رہتے تھے۔ ان پر ہر وقت ''اللہ اللہ'' کی خاص کیفیت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ یہ بخارا آرہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ اکھاڑا تھا، جس میں کچھ پہلوان کشتی کررہے تھے۔ ایک آدمی جو اس وقت بخارا کا سب سے بڑا رستم سمجھا جاتا تھا، وہ اس میں ایک ہی وقت میں پانچ چھ پہلوانوں سے اکیلا کشتی کرتا تھا۔ بڑا اچھا اس کا جسم تھا اور پانچ چھ پہلوانوں سے وہ ایک وقت میں کشتی کررہا تھا۔ حضرت نے دیکھا تو کھڑے ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ آپ یہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ''میں کسی مرد کو دیکھ رہا

ہوں۔'' کچھ دیر کے بعد جب وہ باہر نکلے تو وہ جو رستم تھے، اس پر حضرت کی نظر پڑی اور وہ حضرت کے عقیدت مند ہو گئے۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔

(۱۴) حضرت خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

بعد ازاں یہی پہلوان (سید امیر کلال) آپ کے خلیفہ بنے اور مشائخ نقشبندیہ کے بھی رستم بن گئے۔ پہلوان تو تھے ہی، اللہ نے روحانی پہلوان بھی بنا دیا۔ روحانی پہلوان کیوں کہا؟ اس لیے کہ واقعی اس نے ایک ایسے شاگرد کو تیار کیا جو دنیا میں ایک انقلاب برپا کرنے والا تھا اور ان کا نام تھا حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری۔ یہ رستم ان کے پیر بنے۔

(۱۵) حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کتابوں میں لکھا ہے کہ بخارا کے قریب کوئی تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر ایک علاقہ ہے، جس کا نام ہے ''قصرِ عارفاں''۔ بڑا عجیب علاقہ ہے۔ پہلے کسی وقت میں وہ ''قصرِ ہندواں'' مشہور تھا۔ وہاں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد رہتے تھے۔ یہ ابھی چھوٹے تھے کہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ ان کے گھر تشریف لائے۔ امیرِ کلال جو پہلوان تھے وہ بھی ساتھ تشریف لائے، حضرت سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بچے (بہاؤ الدین) کو دیکھا تو فرمایا: ''امیرِ کلال! مجھے اس بچے میں خیر نظر آتی ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو اس بچے کی تربیت میں کروں گا اور اگر میری موت پہلے آگئی تو اس کی تربیت آپ کرنا۔ مجھے

امید ہے کہ یہ جگہ اس کی وجہ سے ''قصرِ عارفاں'' کہلایا کرے گی۔'' عجیب بات ہے کہ آج کے دور میں بھی اس پورے شہر اور بستی کا نام ''قصرِ عارفاں'' ہے۔

توجہ کا کمال:

ان کی توجہ اتنی تھی کہ جو آدمی ان کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھتا تھا اس کو یوں محسوس ہوتا تھا، کہ جیسے اس کے سینے پہ کسی نے ''اللہ'' کا نام نقش کر دیا ہو۔ وہ کرتے کیا تھے؟ وہ ہاتھ کی انگلیوں میں لفظِ ''اللہ'' کی شکل بناتے اور سالک کے دل پر انگلی رکھتے۔

''كَانَ يُنَقِّشُ اسْمَ اللهِ عَلٰى قُلُوْبِ السَّالِكِيْنَ''

اللہ نے ان کو جو روحانی قوت دی تھی، تصرف دیا تھا، اس روحانی قوت کو استعمال کر کے ''اللہ'' کہتے اور اللہ کا نام لوگوں کے دلوں پر نقش کر دیا کرتے تھے۔ اسی لیے ان کا نام ''نقشبند'' پڑ گیا، کہ وہ اللہ کا نام دل میں بند کر دیتے تھے۔ ان سے پہلے یہ سلسلہ ''صدیقیہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ آپ اگر تصوف کی پرانی کتابیں پڑھیں تو ان میں صدیقیہ سلسلہ ہمارا ہی ہے، مگر ان کے دور میں اتنے لوگ اس سلسلے میں داخل ہوئے، کہ ان کے نام کی وجہ سے یہ ''سلسلہ نقشبندیہ'' زیادہ مشہور ہو گیا۔

(۱۶) حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور داماد حضرت علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ بڑے کامل بزرگ تھے۔ ایک دفعہ ان کی جگہ پر حاضری ہوئی۔ اس علاقے کو ''حصار'' کہتے ہیں۔ وہ تاجکستان اور ازبکستان کے بالکل بارڈر کے پاس ہے۔ جب یہ عاجز وہاں گیا تو وہاں ایک عجیب پتھر دیکھا۔ ان کی خانقاہ کے آدمی نے کہا: ''حضرت اس پر

نمازیں پڑھا کرتے تھے۔'' میں نے ان سے پوچھا کہ یہ پتھر پلین (ہموار) کیوں نہیں؟ جہاں ہاتھ رکھتے ہیں، گھٹنے رکھتے ہیں، پیشانی رکھتے ہیں وہاں باقاعدہ نشان بنے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کثرتِ سجود میں مشہور تھے۔ اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ نماز پڑھتے پڑھتے ان کی پیشانی کے، گھٹنوں کے پتھر پر نشان رہ گئے۔

ایک ہم لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں اور سجدوں کے نشان ہماری پیشانیوں پہ نہیں بنتے اور انہوں نے بھی سجدے کیے اور ان کی پیشانیوں کے نشان پتھروں کے اوپر رہ گئے۔ ع

ع کوئی ایسا سجدہ کر زمیں پر نشاں رہے

وہ ایسے سجدے کر گئے کہ آج بھی پتھر ان کے سجدوں کی گواہیاں دیتے ہیں۔ یہ علامہ محمد شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے۔ علماء جانتے ہیں، علماء میں ان کا نام بہت مشہور ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں،

''وَاللّٰہِ! مَا عَرَفْتُ الْحَقَّ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی مَا لَمْ اَصِلُ فِیْ خِدْمَۃِ الْعَطَّارِ۔''

(نفحات الانس)

''اللہ کی قسم! میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت کو نہیں پایا جب تک کہ میں عطار کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔''

ایسے بڑے بڑے حضرات بھی اپنے پیر و مرشد کی گواہیاں دیتے ہیں کہ جب تک میں ان کی خدمت میں نہیں پہنچا، اس وقت تک میں نے حق کو نہیں پہچانا۔

(۱۷) حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ یہ افغانستان کے

لوگوں کے پیر کہے جاتے ہیں۔ افغانستان کے لوگ ان سے بہت بیعت ہیں، حتی کہ اس وقت بھی ان کی مسجد اور مدرسے کا نظام افغانستان کے لوگوں نے سنبھالا ہوا ہے۔ وہ ملک تو ازبکستان ہے، لیکن مسجد اور خانقاہ کے متولی افغانستان کے لوگ ہیں۔ انہوں نے ایک تفسیر لکھی جو مکمل تو نہ ہوسکی، لیکن مسائلِ سلوک میں وہ تفسیر بڑی انمول ہے۔

(۱۸) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شاگرد دیا، جس کا نام تھا ''حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ''۔ یہ اپنے وقت کے بادشاہوں کے پیر تھے۔ ان کی جگہ سمرقند تھی۔ سمرقند میں ان کی اتنی بڑی مسجد اور مدرسہ ہے، کہ انسان دیکھے تو حیران ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا مال بھی بہت زیادہ دیا تھا اور علمی کمالات بھی بہت دیے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: ''اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا میں کسی پیر کو مرید نہ ملتا، مگر مجھے تو کسی اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا۔'' کسی نے پوچھا: ''وہ مقصد کیا ہے؟'' فرمایا: ''مجھے تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے پیدا کیا گیا۔

ایک عجیب واقعہ:

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے۔ کتابوں میں عجیب واقعہ لکھا ہے کہ مولانا جامی ان کی خانقاہ پر گئے، کہ میں دیکھوں تو سہی کہ حالات کیسے ہیں اور حضرت سے بیعت کروں۔ جب وہاں گئے تو کیا دیکھا؟ ان کے اونٹ اور گھوڑے سونے چاندی کی کیلوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قالین بچھے ہوئے ہیں اور محفل لگی ہوئی ہے۔ مولانا جامی اندر گئے، جھانک کر دیکھا، کہ یہاں تو بڑی زیب و زینت ہے،

انہوں نے دل میں کہا:

ع نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

''وہ مرد نہیں ہوتا جو دنیا کو دوست بنائے ہوئے ہو۔''

اور وہیں سے واپس آ گئے، کہ میں بیعت نہیں کرتا۔ جب واپس آنے لگے تو راستے میں ایک جگہ نماز پڑھی اور قیلولہ کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

جب لیٹے تو نیند آ گئی اور خواب دیکھا، کہ قیامت کا دن ہے اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔ حق لینے والے جمع ہیں اور حق لینے والے اتنے ہیں کہ یہ اپنی ساری نیکیاں بھی دے دیں تو ان کا حق پورا نہیں ہوتا۔ پریشان ہیں کہ کیا کروں؟ اتنے میں دیکھا کہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کی جماعت کے ساتھ قریب سے گزر رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر رک گئے اور پوچھا: ''مولانا! کیا بات ہے؟'' یہ عرض کرنے لگے: ''حضرت! اتنے لوگ حق مانگنے والے ہیں، میرے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں کہ میں ان کو دے سکوں۔'' فرمانے لگے: ''اچھا! میں آپ کی طرف سے ان کو اپنی نیکیوں میں سے کچھ دے دیتا ہوں۔ ان کی نیکیاں دے کر جب جان چھوٹی تو مولانا کی آنکھ کھل گئی۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ مجھے حضرت سے نسبت ملنی ہے۔ جب واپس آئے تو اندر گئے اور حضرت سے ملے۔ حضرت اتنے صاحبِ کشف تھے کہ جب حضرت سے ملے تو انہوں نے فرمایا: ''مولانا! ذرا وہی بات کہیں جو آپ نے پہلی مرتبہ کہی تھی۔'' وہ کہنے لگے: ''نہیں حضرت! نہیں حضرت!'' فرمایا: ''کہو تو سہی کیا کہا تھا؟'' عرض کیا: ''حضرت! میں نے یہ کہا تھا:

ع نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

حضرت نے شعر مکمل کیا، فرمایا:

ع "اگر دارد برائے دوست دارد

"اگر یہ مال پیسہ ہو تو پھر اللہ کے لیے ہو۔" پھر فرمایا: "یہ سونے، چاندی کی کیلیں زمین میں گاڑنے کے لیے ہوتی ہیں، دلوں میں گاڑنے کے لیے نہیں ہوا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے کمالات عطا فرمائے تھے۔

(۱۹) حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ یہ اس علاقے کے بزرگ تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی قبولیت عطا فرمائی تھی۔ یہ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے۔ جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بیعت کیا تو اسی مجلس میں اپنی توجہات سے کمال تک پہنچا دیا اور خلافت عطا فرما دی۔ اس پر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے خدام کہنے لگے: "حضرت! ان کو تو آپ نے آتے ہی خلافت دے دی اور ہم جو برسوں سے یہاں پڑے ہیں، ہمارے حال پر تو کچھ خیال نہیں فرماتے!" یہ سن کر حضرت نے فرمایا: "محمد زاہد چراغ، تیل اور بتی درست کر کے لائے تھے اور میں نے اس کو صرف روشن کر دیا ہے۔" اللہ اکبر!!

(۲۰) حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ سمرقند میں ایک پہاڑ ہے، جس کی دوسری طرف ایک شہر ہے اور اس شہر کا نام "شہر سبز" ہے۔ اس علاقے

میں سبزہ اتنا ہے، پھول بوٹے اتنے ہیں کہ اس پورے علاقے کا نام ''شہرِ سبز'' پڑ گیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ وہ کیسا خوبصورت شہر ہوگا جس شہر کو شہر سبز کہتے ہیں؟ واقعی اس عاجز نے جتنا سبزہ اس علاقے میں دیکھا کہیں اتنا سبزہ نہیں دیکھا۔ جو میٹل روڈ بنی ہوئی تھی اس پہ بھی کہیں کہیں بیلیں نکلی ہوئی تھیں اور ان پہ بھی پھول لگے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں اللہ نے اس جگہ میں کیا زرخیزی رکھ دی؟ یہ پہلے کسی وقت میں علاقے کا دارالخلافہ بھی رہا۔ حکومت نے پہلے اس کو دارالخلافہ بنایا، بعد میں دوسری سہولیات کی وجہ سے اس نے سمرقند کو دارالخلافہ بنا لیا۔ حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ اس علاقے کے رہنے والے تھے۔

(۲۱) حضرت خواجہ محمد امکنگی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ محمد رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ ''امکنہ'' ایک گاؤں کا نام تھا۔ یہ وہاں کے رہنے والے تھے اور خواجہ محمد امکنگی مشہور ہوئے۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے محسن ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے ایک خلیفہ کو تیار کیا، نسبت عطا کی اور اس کو خلافت دے کر دہلی کی طرف بھیجا۔ فرمایا: ''جاؤ! اس نسبت کو وہاں پہنچاؤ۔'' اس کا نام تھا ''خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ''۔ ان کی وجہ سے یہ نسبت وسطِ ایشیا سے ہندوستان (دہلی) میں پہنچی۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے یہ نسبت مدینہ طیبہ میں تھی، عرب میں تھی، حجاز میں تھی، وہاں سے یہ نسبت وسطِ ایشیا میں آئی اور پھر باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے یہ نسبت برِصغیر پاک و ہند کے اندر آئی۔

(۲۲) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ سمرقند کے

رہنے والے تھے۔ دہلی میں آ کر انہوں نے ڈیرا لگایا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے تھے: ''مجھے جو مقام ملا ہے، وہ میری والدہ ماجدہ کی پرخلوص دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ وہ اس طرح کہ جب میری والدہ ماجدہ تلاشِ حق میں میری جستجو، بے قراری، شب بیداریوں کی کثرت اور روز بروز کمزوری کو دیکھتی تھیں تو دل ہی دل میں بہت پریشان ہوتی تھیں اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نہایت آہ وزاری اور لجاجت کے ساتھ یہ دعا کرتی تھیں ''خداوند! میرے اس فرزند کی مراد کو پورا کر دے، جس نے تیری طلب میں سب سے اپنا تعلق منقطع کرلیا ہے۔ ورنہ مجھے زندہ نہ رکھ، کیونکہ میں اس کی ناکامی اور بے آرامی کو دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتی۔'' حضرت فرماتے ہیں: ''میری والدہ ماجدہ اکثر تہجد کے وقت اللہ رب العزت سے ایسی دعائیں مانگتی تھیں۔ پس والدہ محترمہ کی اس دعا کی برکت سے مجھے یہ مراتب نصیب ہوئے ہیں۔''

حضرت کی تواضع:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی بندہ آپ کی خانقاہ میں بیعت ہونے کے ارادے سے آتا تھا تو اس کو عذر پیش کرتے ہوئے فرماتے: ''میں کس لائق ہوں؟ تم نے میرے بارے میں جو گمان کیا ہے، وہ میری حیثیت سے بہت بلند ہے، لہٰذا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ، اگر کوئی رہبر مل جائے تو مجھے بھی بتا دینا، تاکہ ہم بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کریں۔'' لیکن سچی طلب والے آپ کی خانقاہ میں ہی قیام پذیر رہتے اور اپنا گوہرِ مقصود پاتے تھے۔

مخلوقِ خدا پر رحم وکرم:

حضرت مخلوقِ خدا پر بہت رحم فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں آپ

اپنے بستر سے اٹھے اور تہجد پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں ایک بلی سردی سے کانپتی ہوئی آپ کے بستر میں سو گئی۔ جب آپ واپس سونے کے لیے بستر کے پاس آئے اور دیکھا کہ ایک بلی آپ کے بستر میں دبک کر بیٹھی ہوئی ہے، تو آپ نے خود تو سردی کے اندر ٹھٹھرتے ہوئے رات گزار لی، مگر اس بلی کو بستر سے اٹھانا گوارا نہ کیا۔

خاموش طبعی:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت خاموش طبع انسان تھے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی کہنے لگا: ''حضرت! آپ کوئی نصیحت فرمائیں۔'' حضرت نے جواب دیا: ''جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا، وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔''

(۲۳) حضرت خواجہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شاگرد عطا کیا۔ شاگرد بھی وہ جو کروڑوں پر بھاری تھا۔ ان کا نام ''احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' تھا۔ جو دوسرے ہزار سال کے مجدد بنے۔

دینِ اکبری اور اس کی سرکوبی:

احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک بادشاہ ہندوؤں کے زیرِ اثر آ گیا تھا۔ اس نے ہندوؤں کی کئی باتیں جاری کر دی تھیں اور اسلام کی کئی باتوں کو اس نے ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے ایک نیا دین بنا لیا تھا جس کا نام اس نے ''دین الٰہی'' رکھا ہوا تھا۔

ابوالفضل اور فیضی جیسے درباری مُلّا اس کے ساتھ تھے۔ عالم تو تھے، اس میں کوئی شک نہیں۔ دونوں بھائیوں نے مل کر ایک بے نقطہ تفسیر لکھی۔ اس عاجز کو وہ تفسیر دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ اس کا نام ہے ''سواطع الالہام'' یعنی اس کے نام میں بھی نقطہ نہیں ہے۔

دونوں بھائی اتنے ذہین تھے کہ چھوٹا فیضی ایک مرتبہ کوئی شعر یا نظم سنتا تو اسے وہ اسی وقت یاد ہو جاتی اور بڑا دو مرتبہ سنتا تو اسے بھی یاد ہو جاتی۔ یہ دونوں اکبر کے بڑے مصاحب بنے ہوئے تھے اور لوگوں کی ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ اگر کوئی شاعر قصیدہ پیش کرتا تو فیضی کھڑا ہو جاتا، کہتا: ''بادشاہ سلامت! یہ تو میرا قصیدہ ہے۔ میں ابھی سنا دیتا ہوں۔'' ...... چونکہ ایک دفعہ سن جو لیتا تھا...... بادشاہ کہتا: ''اگر تمہارا ہے تو تم پڑھ کر سناؤ! یہ کھڑا ہو جاتا اور پورا قصیدہ پڑھ دیتا۔ اب چونکہ دو مرتبہ پڑھا جا چکا ہوتا، ایک مرتبہ شاعر نے کہا اور دوسری مرتبہ بھائی نے پڑھا تو دو دفعہ سن کر بڑے بھائی کو بھی یاد ہو جاتا۔ تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا اور کہتا: ''بادشاہ سلامت! میں تائید کرتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے۔ میں بھی سنا سکتا ہوں۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کو پریشان کیا ہوا تھا۔

تاہم کتابوں میں لکھا ہے کہ تفسیر میں یہ کئی مقامات پر اٹک گئے۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پھر ان کو بتایا کہ یہاں قرآن پاک کی تفسیر کا حل کیسے کرنا ہے؟ علمی طور پر حضرت سے یہ بڑے متاثر تھے۔ جانتے تھے، پہچانتے تھے کہ ہاں! یہ ہستی ایک کھری ہستی ہے۔

انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں کہا: ''جناب! آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں۔ اکبر آپ کا نام ہے۔ آپ کو تو تعظیمی سجدہ ہونا چاہیے۔ اپنے طور پر دلیلیں بھی دیں، مگر جب تک چند بڑے بڑے علماء آپ کی تائید نہیں کریں گے عوام الناس بات نہیں مانیں گے۔'' اس نے کہا: ''اچھا! جاؤ اور ان سے فتویٰ لکھوا کر لاؤ۔''

چنانچہ جب یہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس سلسلے میں آئے تو آپ نے صاف فرما دیا کہ یہ ممکن ہی نہیں، میں تعظیمی سجدہ حرام سمجھتا ہوں۔ اُنہیں بادشاہ کو بھڑکانے کا موقع مل گیا۔ کہنے لگے: ''دیکھیں! یہ آپ کے خلاف مریدین کی فوج تیار کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی طرح اس کو تعظیمی سجدہ پر قائل کریں۔'' اب انہوں نے ایک تجویز سوچی، کہنے لگے: ''بادشاہ سلامت! ہم ایک دیوار بناتے ہیں، جس میں دروازہ ذرا نیچے لگائیں گے اور آپ اس کے دوسری طرف دربار لگا کر بیٹھیں۔ جب سپاہی ان کو گرفتار کر کے لائیں گے اور وہ دروازے میں سے داخل ہوں گے تو وہ ذرا جھک کر داخل ہوں گے، آگے آپ بیٹھے ہوں گے۔ ہم کہیں گے یہی تو تعظیمی سجدہ ہے! کوئی زمین پر پیشانی لگانی ضروری نہیں ہے۔ بس ذرا سا جھکنا ہی تعظیمی سجدہ ہے۔ ہم اس کو سند بنا لیں گے۔'' چنانچہ سپاہیوں کو بھیج کر گرفتار کروایا۔ حضرت کو کیا معلوم کہ کہاں جا رہے ہیں؟ جب قریب پہنچے تو آپ نے دروازہ دیکھا جو اپنے عام سائز سے چھوٹا تھا۔ پہلے سپاہی داخل ہو گئے۔ انہوں نے حضرت سے کہا: ''آپ بھی اندر آیئے!'' حضرت کو اللہ نے باطنی فراست دی تھی۔ حضرت نے بجائے اس کے کہ سر پہلے داخل کرتے اور پاؤں بعد میں، اور جھک کر اندر جاتے۔ دروازے میں پہلے اپنا پاؤں رکھا، پھر دوسرا پاؤں رکھا اور سیدھے ہو کر اندر داخل ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ گُر بھی کامیاب نہیں ہوا تو انہوں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! یہ بندہ تو بس آپ کی بغاوت کر دے گا۔'' بادشاہ نے گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں بند کروا دیا۔ دو سال تک آپ وہاں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

اب قضاء وقدر کے فیصلے دیکھیے! اللہ تعالیٰ اب تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ بادشاہ اکبر کو کہیں لشکر کشی کرنی پڑی۔ چنانچہ اس نے فوج کو تیار کیا اور لے کر چلنے لگا۔ کسی نے کہا:

''یہ جو حضرت پیچھے قلعے میں بند ہیں ان کے مریدین تو ان کو قلعے سے نکال لیں گے اور لا کر تخت پر بٹھا دیں گے۔ پھر کیا بنے گا؟'' کہنے لگا: ''اچھا! ان کو بھی اپنے ساتھ رکھو۔'' چنانچہ انہوں نے گرفتار حالت میں حضرت کو اپنے لشکر کے ساتھ رکھا۔ اب جب ساتھ سفر کر رہے تھے، تو حضرت نمازیں پڑھتے اور جو حضرت کے قریب کچھ لوگ آ کر بیٹھتے، محفل لگتی، جو فوج کے بڑے بڑے جرنیل تھے، جب وہ بادشاہ سے ملتے اور اس سے مختلف باتیں ڈسکس (مذاکرہ) کرتے تو واپس جاتے ہوئے کہتے، کہ ذرا احمد سرہندی کے پاس بھی جا کر بیٹھتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ وہ حضرت کی صحبت میں آنے لگے، رنگ چڑھنے لگا، دل کی دنیا بدلنے لگی۔ انہوں نے دیکھا یہ تو متقی پرہیزگار اور واصل باللہ بندے ہیں۔ معلوم نہیں بادشاہ کو ان سے کیوں عداوت ہے؟ یہ تو ایسے بندے ہیں جو باخدا ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔

یہ وہ سفر ہے جس کو بابر نے بھی اپنی کتاب ''تزکِ بابری'' میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لشکر کے ساتھ تھے اور وہاں سے جاتے ہوئے مختلف علاقوں میں گئے۔ اس میں لاہور کا بھی نام آیا اور جھنگ میں چنیوٹ کا بھی نام آیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اکبر کے لشکر کے ساتھ آئے اور چنیوٹ میں انہیں تین دن پڑاؤ ڈالنے کا موقع ملا۔ چنیوٹ کی سرزمین کو حضرت کے قدموں کے ساتھ لگنے کی سعادت نصیب ہے۔

جب یہ حضرات واپس گئے تو واپس جا کر فوج کے بڑے بڑے جرنیلوں نے بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت! ہم نے پورے سفر میں ان کو دیکھا یہ تو بڑے نیک بزرگ ہیں اور جو بات کرتے ہیں کھری کرتے ہیں۔ اگر تو آپ کو بادشاہی کی ضرورت ہے تو آپ

کی شاندار نوکری لگی ہے، آپ بادشاہی کرتے رہیں۔ ان کے خلاف کیا آپ نے محاذ کھولا ہوا ہے؟ اگر آپ کو بادشاہی نہیں چاہیے تو پھر ہم ان کو بنا دیتے ہیں۔ فوج تو وہی ہے جو ہم جرنیلوں کے ہاتھ میں ہے۔

اکبر بڑا سمجھدار تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرے سارے جرنیل مجھے کہہ رہے ہیں کہ جناب! یہ معاملہ نہیں چلے گا تو وہ کہنے لگا: ''انہیں لے آؤ! جو وہ کہیں گے میں کرتا چلوں گا۔'' حضرت کی جو توجہات تھیں، انہوں نے جرنیلوں کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ جرنیل فوج کے جرنیل ہی نہ تھے، دین کے بھی جرنیل بن چکے تھے۔ چنانچہ حضرت کو جیل سے آزاد کیا گیا اور کہا گیا کہ جو آپ کہیں گے ہم اسی طرح ملک کے اندر تبدیلی لاتے جائیں گے۔ یوں اللہ نے ان سے دین کا کام لیا۔ اس لیے انہیں ''مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے ہیں۔

(۲۴) حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

ان کے ایک بیٹے تھے، جن کا نام خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ان کی ولادت سے پہلے حضرت کو الہام ہوا، کہ ہم آپ کو ایک ایسا بیٹا دیں گے جو پیدائشی ولی ہوگا۔ وہ اپنی زندگی میں کبیرہ گناہ کبھی نہیں کرے گا۔ حضرت نے اس نسبت سے ان کا نام ''محمد معصوم'' رکھا۔ یہ محمد معصوم ایسے تھے جو رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا کرتے تھے۔ اسی سال رمضان المبارک کے بعد عید کا چاند دیکھنے میں فرق لگا۔ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا: ''حضرت! ہم نے عید تو پڑھ لی۔ معلوم نہیں ٹھیک بھی پڑھی ہے یا نہیں؟'' حضرت نے ایک بچے سے کہا: ''جاؤ، پوچھ کے آؤ! آج محمد معصوم

نے دودھ پیا ہے یا نہیں؟'' والدہ نے کہلا بھیجا کہ ہاں! بچے نے دودھ پی لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''الحمدللہ! ہم نے صحیح دن نمازِ عید ادا کی ہے۔

بادشاہوں کے پیر:

اللہ نے ان سے دین کا کام بہت لیا۔ بڑے بڑے بادشاہ ان سے بیعت ہوئے۔ افغانستان کا بادشاہ ان سے بیعت ہوا، حتیٰ کہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے بادشاہ ان کے خلیفہ بنے۔ ان کے تین ہزار خلفاء تھے۔

بادشاہ کی عقیدت مندی:

اس عاجز کو سرہند حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ جب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک قبر کی طرف جانا ہوا، تاکہ ایصالِ ثواب کریں تو دیکھا کہ ایک راستہ ہے جو سیدھا جا رہا ہے۔ بہت چوڑی سڑک ہے، مگر راستے میں ایک اور قبر بنی ہوئی ہے۔ وہاں جا کر راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ وہاں کے سجادہ نشین بھی تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اتنا صاف سیدھا راستہ ہے، کیا ہوا کہ درمیان میں ایک قبر بن گئی؟ پہلے یہ قبر تھی اور بعد میں راستہ بنا یا پہلے راستہ تھا بعد میں قبر بنائی گئی؟ کہنے لگا: ''راستہ تو پہلے تھا، قبر بعد میں بنائی گئی۔'' میں نے کہا: ''ایسے کیوں کیا؟ اس طرح تو لوگوں کے لیے مشکل ہوتی ہے، جب اجتماع ہوتا ہوگا اور زیادہ لوگ آتے ہوں گے تو ان کو تنگی ہوتی ہوگی؟'' کہنے لگے: ''جی ہاں! یہ افغانستان کے فلاں بادشاہ تھے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے افغانستان میں دفن کرنے کے بجائے اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں دفن کرنا۔ ایسے مشائخ تھے کہ بادشاہ بھی ان کے قدموں میں دفن ہونے کے لیے تمنائیں کیا کرتے تھے۔

(۲۵) حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ یہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں فرزند تھے۔ آپ کے والد حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ سال کی عمر میں ہی فنائے قلب کی بشارت عطا فرمادی تھی۔ آپ کی استعداد دیکھ کر ان کو ہر وقت آپ کی ترقی کا خیال رہتا تھا۔ وہ آپ کے ظرف کو نہایت عمیق خیال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ عین ایامِ شباب میں ولایت کا مقام پالیا۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ایک نیک دل انسان تھا۔ وہ بھی آپ سے توجہات لیا کرتا تھا۔ ان توجہات کی برکت سے بادشاہ کی روحانی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا۔ چنانچہ ہندوستان کی تاریخ میں ''فتاوٰی ہندیہ'' کی تدوین اس کا مشہور دینی کارنامہ ہے۔

آپ کی خانقاہ میں چار سو آدمی جمع رہتے تھے اور جو شخص جو فرمائش کرتا تھا، اس کے لیے وہی کھانا تیار ہوتا تھا۔ اس قدر ناز و نعمت کے ماحول میں بھی سالکین روحانی طور پر بلند مقام پالیا کرتے تھے۔

(۲۶) حضرت خواجہ حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ سیف الدین سے یہ نسبت حضرت خواجہ حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ سلوک کے بلند مقامات پر فائز تھے۔ آپ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے اندر عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ مرجع خلائق اور صاحبِ کمالات عالیہ تھے۔

(۲۷) حضرت خواجہ سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت آگے سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ جہاں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ اس کے قریب ایک باغ ہے، جس میں یہ آرام فرما ہیں۔ وہاں کا ماحول اتنا پرسکون ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''یادِ ایّام'' میں لکھتے ہیں کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر ایک وقت ایسا آیا، جب اللہ نے ان پر دعوت کا کام کھولا تو حضرت اس وقت نظام الدین کے مدرسہ میں رہنے کے بجائے سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر بیٹھتے اور صبح سے شام تک مراقبہ کرتے رہتے۔ لکھتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تو پانچ چھ طلبا لوٹے میں پانی بھر کر وہاں لے جاتے۔ حضرت ایک لوٹے سے طہارت کر لیتے اور دوسرے لوٹے سے وضو بنا لیتے۔ وہیں پہ آپ امامت کرواتے۔ طلبا پیچھے ہوتے تا کہ آپ کو جماعت کی سعادت نصیب ہوجائے۔ طلبا نماز کے بعد واپس آجاتے۔ آپ اسی طرح پھر مراقبے میں بیٹھ جاتے۔ اس طرح ہر نماز جماعت کے ساتھ بھی ادا کر لیتے اور پھر اس نماز سے اگلی نماز تک مراقبہ بھی کرتے۔ فرمایا: ''کتنے مہینوں تک آپ کی یہی کیفیت رہی۔ یہ وہ ایام تھے جب اللہ نے ان پر دعوت وتبلیغ کے کام کو کھولا تھا۔'' یہ ہمارے مشائخ کی جگہیں ہیں۔ ان جگہوں پہ اللہ کے نیک بندوں کے قدم لگے ہوئے تھے۔

(۲۸) حضرت خواجہ مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ

سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔

جمال پسندی کا غلبہ:

مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ عجیب بزرگ گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن و جمال بھی بڑا دیا تھا اور ان پر تجلیات کا ظہور بھی بہت تھا۔ ان کو طبعاً جمال پسند تھا۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بعض طبیعتیں صاف ستھری اور اچھی چیزوں کو پسند کرتی ہیں اور کئی گندے مندے بنے رہتے ہیں۔ ان پر اللہ رب العزت کی صفتِ جمال کا غلبہ رہتا تھا۔ اس لیے ان کو ہر چیز حسن و جمال کے ساتھ ہی اچھی لگتی تھی۔

کشف وکرامات:

اتنے صاحبِ کشف تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے آپ کی خدمت میں انگور پیش کیے اور کہا: ''حضرت! میں آپ کے لیے انگور تحفہ میں لایا ہوں۔'' حضرت نے انگور لے کر کھانا چاہے، منہ کے قریب لے گئے اور واپس کر دیے۔ اس نے کہا: ''حضرت! کھا لیجیے! حضرت نے فرمایا: ''مجھے ان میں سے مردوں کی بو آرہی ہے۔'' وہ حیران ہوا کہ حضرت! میں تو بازار سے خرید کر لایا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ''جا کر پتہ کرو۔'' جب پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ جو بندہ بیچنے آیا تھا، اس نے بیلیں قبرستان میں لگائی ہوئی تھیں۔ قبرستان میں بیل اگی اور اس کا انگور جب آپ کے ہاتھ میں آیا تو کھاتے ہوئے اللہ نے باطنی فراست کے ذریعے بتلا دیا، کہ اس میں سے مردوں کی بو آرہی ہے۔ اتنے صاحبِ کشف تھے!

طبیعت میں بڑا جمال تھا حتیٰ کہ ابھی چھوٹے بچے تھے، چلنا بھی نہیں سیکھا تھا، اس وقت اگر کوئی ان کو بدصورت مرد یا عورت اٹھانا چاہتی تو اس کے پاس نہیں جاتے تھے، روتے تھے، اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کا اثر ان کے اوپر ایسا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت بیٹھے تھے۔ ان کے پاس وقت کا نواب آیا۔ وہ آ کر حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر میں اسے پیاس لگی اور کہنے لگا: ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں آپ کے اس مٹکے سے پانی پی لوں؟'' حضرت نے فرمایا: ''پی لو۔'' اس نے جا کر پانی پی لیا اور پیالہ واپس رکھتے ہوئے ذرا ٹیڑھا رکھ دیا۔ جب حضرت کی نظر پڑی تو ان کو ناگوار گزرا۔ وہ آ کر بیٹھا رہا اور بات چیت کرتا رہا۔ جاتے ہوئے کہنے لگا: ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں کوئی خادم بھیج دوں؟ آپ کے پاس خادم کوئی نہیں، وہ آپ کی خدمت کر دیا کرے گا۔'' حضرت نے فرمایا: ''تیرا اپنا تو یہ حال ہے کہ پانی پینے کے بعد پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا، میرے سر میں اس کے بعد ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ تیرا خادم آیا تو پتہ نہیں میری کیا گت بنا جائے گا۔''

ان کے پاس ایک مرتبہ ایک ہندو آیا اور کہنے لگا: ''مجھے کشف القلوب حاصل ہے۔'' ...... یہ کشف کوئی شرعی چیز نہیں ہے۔ محنت اور ریاضت سے کافروں کو بھی مل جاتا ہے۔ دین کی کوئی چیز ہو تو وہ مسلمان ہی کو ملے گی۔ البتہ جس چیز کا تعلق فقط کیفیت سے ہو تو وہ ہندوؤں کو بھی مل سکتی ہے...... چنانچہ وہ کہتا تھا کہ مجھے کشف القلوب حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''اچھا! مجھے میرا دل دیکھ کے بتاؤ کیسا ہے؟'' اس نے دیکھا تو کہنے لگا: ''مجھے تو آپ کا دل بالکل سیاہ نظر آتا ہے۔'' فرمایا: ''اچھا بتاؤ! کہ تمہیں یہ کشف کیسے حاصل ہوا؟'' کہنے لگا: ''میں نے ہر کام اپنے جی کے خلاف کیا تو مجھے یہ نصیب ہو گیا۔ فرمایا کہ پھر تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا؟ اور ساتھ توجہ بھی دی۔ وہ کہنے لگا: ''بس میرا جی نہیں کرتا۔'' حضرت نے فرمایا: ''جب باقی کام جی کے خلاف کیے تو یہ کام بھی جی کے خلاف کر لو۔'' وہ توجہ ایسی تھی کہ اثر کر گئی۔ کہنے لگا: ''اچھا میں یہ کام بھی جی کے

خلاف کرتا ہوں۔'' چنانچہ اس نے وہیں کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر حضرت نے فرمایا: ''ذرا اب میرے دل کو دیکھو۔'' اس نے دیکھا تو کہنے لگا: ''حضرت! اب تو مجھے اس میں نور ہی نور نظر آتا ہے۔'' حضرت نے فرمایا: ''دیکھو! میرا دل آئینے کے مانند ہے۔ جب پہلے تم نے دیکھا تو تمہیں کالا نظر آیا، وہ تمہارا اپنا دل تھا جو میرے دل میں منعکس ہو رہا تھا۔ اب تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ اس لیے میرا دل نورانی نظر آیا ہے، کیونکہ کلمے نے تمہارے کالے دل کو منور کر دیا ہے۔''

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ان کے پاس تھے۔ وہ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں ولی اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں مظہر جانِ جاناں جیسا تزکیہ اور تصفیہ والا آدمی کوئی نہیں ہے۔

استغنا کا عالم:

ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ بادشاہِ وقت نے پیغام بھیجا کہ حضرت! میں آپ کو کچھ زمین دینا چاہتا ہوں، آپ تشریف لائیے! حضرت نے پیغام بھیجا کہ جناب! اللہ تعالیٰ نے اس پوری دنیا کو قرآن مجید میں قلیل کہا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ﴾ (النساء:۷۷)

فرمایا: ''جس پوری دنیا کو اللہ نے قلیل کہا، اس قلیل میں سے تھوڑا سا حصہ آپ کو ملا ہے۔ اس تھوڑے سے حصے سے تھوڑا سا آپ مجھے دینا چاہتے ہیں۔ اتنا تھوڑا لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔'' یوں انکار فرمایا۔

(۲۹) حضرت خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ جو تیرہویں صدی کے ''مجدد'' کہے جاتے ہیں۔ آپ کا نسب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ کی مبارک زندگی میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت کا اتنا زیادہ کام ہوا، کہ شاید ہی کسی شیخ کی زندگی میں جاری ہوا ہو۔ برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عرب، بغداد، روم، کابل، بخارا اور بلخ میں بھی آپ کے خلفاء اس سلسلہ کی اشاعت کے لیے پہنچے۔

عاجزی وانکساری:

آپ کے اندر عاجزی و انکساری بہت تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ''جو کتا میرے گھر میں آتا ہے میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں، الٰہی! میں کون ہوں جو تیرے دوستوں کو وسیلہ بناؤں؟ اسی مخلوق کے واسطے تو مجھ پر رحم فرما۔

ایک عجیب بات:

اللہ والوں کے اخلاق میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ وہ کسی بندے سے الجھنا پسند نہیں کرتے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ایک عجیب بات تھی۔ لوگ آپ کی کتابیں لے جاتے اور پھر وہی کتابیں بیچنے کے لیے آپ کے پاس لاتے اور آپ قیمت دے کر وہ کتابیں خرید لیتے۔ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضرت! یہ تو آپ کے کتب خانے کی کتابیں ہیں اور ان پر یہ نشانی بھی موجود ہے، تو آپ سختی سے منع کرتے اور فرماتے: ''کیا ایک کاتب چند نسخے نہیں لکھ سکتا؟''

(۳۰) حضرت خواجہ شاہ ابوسعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ مجھے کس شیخ سے بیعت ہونا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا: ''اس وقت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی نہیں ہے۔''

چنانچہ آپ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ اس کے بعد پورا سلوک تفصیل سے سیکھا۔ آپ پندرہ سال تک حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں رہے۔ حضرت شاہ صاحب کے انتقال کے بعد آپ تقریباً نو سال تک مسند آرائے ارشاد رہے اور سالکینِ طریقت نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے مزاج میں اس قدر نرمی تھی کہ جو لوگ شاہ صاحب کے منکر تھے وہ بھی آپ کے معتقد ہو گئے۔ آپ نے سلوک مجددیہ میں ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام ''ہدایۃ الطالبین'' ہے، جو فارسی زبان میں ہے۔

(۳۱) حضرت خواجہ شاہ احمد سعید مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ احمد سعید مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ نے مولوی فضل امام اور مولوی رشید الدین خان کے علاوہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علم حاصل کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے حدیث کی سند حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے۔'' آپ فرمایا کرتے تھے: ''ابتدائی مرید چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے کہ

وہ اپنے نفع ونقصان سے واقف نہیں ہوتا۔ اگر بچہ مدتِ رضاعت سے پہلے ہی دودھ پلائی سے علیحدہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما میں نقصان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مرید بھی روحانی استعداد پیدا ہونے سے قبل جدا ہو جائے تو وہ بھی ناقص اور ابتر ہو جاتا ہے۔''

آپ نہایت ہی کریم النفس، رقیق القلب، دائم الذکر اور حلیم الطبع انسان تھے۔ اگر آپ کے مریدوں میں سے کسی سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتی تو اس کو اپنی طرف منسوب کرتے اور فرماتے: ''دراصل قصور میرا ہے۔ اگر مجھ میں کمال ہوتا تو تم سے یہ بات واقع نہ ہوتی۔''

آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

(۳۲) حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ یہ وہ شخصیت ہیں جو افغانستان کے رہنے والے تھے۔ دہلی گئے، بیعت ہوئے اور وہاں سے ان کو پاکستان بھیجا گیا۔ افغانستان کے راستے ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب کچھ فاصلے پر ایک جگہ ہے، جسے ''موسیٰ زئی شریف'' کہتے ہیں، وہاں تشریف لائے اور وہاں انہوں نے دین کا کام کیا۔ اس وجہ سے یہ سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت ہندوستان منتقل ہوئی۔

(۳۳) حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید و خلیفہ تھے، جن کا نام خواجہ عثمان

دامانی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد بڑے عابد، زاہد، اور جلیل القدر فقیہ تھے۔ آپ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے اجل خلیفہ تھے اور کمال و تکمیل کے منصب پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ کو جانشین نامزد فرما دیا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ نے مستقل طور پر خانقاہی نظام کو بلند ہمتی کے ساتھ چلایا اور تقریباً تیس سال تک سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت و ترویج میں مشغول رہے۔ آپ کا انتقال ستر سال کی عمر میں ہوا اور موسیٰ زئی شریف میں اپنے پیرو مرشد حضرت حاجی دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں دفن ہوئے۔

(۳۴) حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ

آگے ان کے ایک خلیفہ تھے، حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ نوجوان تھے، عالم تھے۔ ۳۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مگر اللہ نے ان کو عجیب قبولیت دی تھی کہ ان سے علماء، خلفاء، صلحاء کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی، جنہوں نے پورے ملک میں اور بیرون ملک کے اندر اس فیضان کو پہنچا دیا۔ چنانچہ ''خانقاہ سراجیہ'' کندیاں شریف کا فیضان بھی وہیں سے ہے۔ ''خانقاہ فضلیہ'' مسکین پور شریف کا فیضان بھی وہیں سے ہے۔ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کے خلیفہ تھے۔

خواجہ غلام حسن سواک رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں سے تھے۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ ہندوؤں کو توجہ دیتے تو وہ کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ ہندوؤں نے ان پر مقدمہ کر دیا، کہنے لگے کہ یہ ہمارے لوگوں کو زبردستی مسلمان کر دیتے ہیں۔ ایک ہندو جج تھا، اس نے آپ کو بلا لیا۔

آپ وہاں گئے اور کہا کہ میرا جرم کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: ''آپ کا جرم یہ ہے کہ آپ لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتے ہیں۔'' سامنے ہندو کھڑے تھے۔ آپ نے ایک کی طرف اشارہ کیا، فرمایا: ''اسے میں نے مسلمان بنایا ہے؟'' اس نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو اس نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ جب دو تین کی طرف اشارہ کیا تو ہندو جج ڈر گیا کہ کہیں میری طرف اشارہ نہ کر دیں۔ کہنے لگا: ''اچھا! اچھا! میں مقدمے کا فیصلہ کر دیتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا تصرف عطا کیا تھا!!

(۳۵) حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ آپ مسکین پور شریف (مظفر گڑھ) سے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ واقع موسیٰ زئی شریف میں پیدل جایا کرتے تھے۔ انتہائی مختصر زادِ راہ کے ساتھ تقریباً اڑھائی سو میل کا یہ سفر اکیلے طے کرتے تھے۔ دورانِ سفر جب بھوک ستاتی تو کبھی چنے چبا لیتے اور کبھی گاجریں وغیرہ کھا لیتے۔

شیخ کے جانوروں کی خدمت:

شیخ کی خانقاہ میں باقی سالکین علوم و معارف سیکھتے، مگر حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ سارا دن اپنے شیخ کے جانور چراتے۔ جانور خود بھی چراتے اور حضرت گھاس کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالتے، تاکہ خوب سیر ہو جائیں۔ شام واپس آتے ہوئے چارے کی ایک گھٹڑی بھی سر پر اٹھا کر لاتے۔

شیخ کی خانقاہ میں شب و روز:

پیر و مرشد کی خانقاہ میں رات کو سوتے وقت حضرت اپنے پیر بھائیوں کے درمیان لیٹ تو جاتے، مگر جب دیکھتے کہ سب سو گئے ہیں، تو اٹھ کر باہر چلے جاتے اور پوری رات ''اللہ اللہ اللہ'' کرنے میں گزار دیتے۔ جب کبھی پیر و مرشد کی مجلس میں حضرت کو بیٹھنے کا موقع ملتا تو آپ یہ سوچتے ہوئے پیچھے ہٹ کر بیٹھتے، کہ میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جوتوں کے قریب بیٹھنا چاہیے۔

اجازت و خلافت:

حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے سفر میں آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ پھر آپ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ذریعے رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ کی جو شمع روشن کی، اس کی روشنی دور دور تک پھیل گئی اور ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا سبب بنے۔ آپ کی ساری عمر اصلاحِ نفوس، اِحیائے سنت اور ترویج و اشاعتِ اسلام میں بسر ہوئی۔

(۳۶) خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی، جو ''امام العلماء والصلحاء'' کہلاتے ہیں۔ ان کو ''پاک و ہند کا پیر'' کہا جاتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھا تو ان سے دعاؤں کے لیے کہا۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے تشریف لے گئے۔ جو مرضی آجاتا انہوں نے کبھی معمولات قضا

نہیں کیے تھے، لیکن جب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پہنچے تو پوچھا: ''تعارف کیا ہے؟'' آپ نے کہا کہ میں ایک درویش نقشبندی ہوں۔ آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ حضرت نے اپنے معمول کو چھوڑ دیا اور سارا دن حضرت کے ساتھ بیٹھ کر ذکر و سلوک کی گفتگو میں گزارا۔ جب حضرت کو رخصت کرنے لگے تو اس وقت ان کے آخری الفاظ یہ تھے: ''عبدالمالک! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا اور قیامت کے دن ہمیں بھول نہ جانا۔'' یہ اتنے محتاط بزرگ کے الفاظ تھے۔

دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت:

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دیتے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں ان کا پندرہ دن قیام کرواتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت شیخ الحدیث تھے۔

ایک مرتبہ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے۔ جب ''قلب'' کا لفظ آیا تو حضرت اپنے شاگردوں سے فرمانے لگے: ''اگر اس کا لفظی مطلب سمجھنا ہے تو وہ میں سمجھا سکتا ہوں۔ حقیقت پوچھنی ہے تو وہ عبدالمالک صدیقی سے جا کر پوچھیے۔''

طلبا کی درخواست:

حضرت نے پروگرام بنا لیا کہ اس دفعہ میرے پاس وقت کی کمی ہے، اس لیے میں ایک ہفتے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ حضرت نے تیاری کر لی، جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا کہ خواجہ عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ تو واپس جا رہے ہیں تو آپ نے درسِ حدیث موقوف کیا اور شاگردوں کو لے کر آئے۔ شاگرد کمرے کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لے گئے۔ سلام کیا اور عرض کرنے لگے: ''حضرت! آپ ہر

سال پندرہ دن دار العلوم میں رہا کرتے ہیں۔ اس دفعہ کیا ہم سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے کہ آپ ایک ہفتے کے بعد واپس جا رہے ہیں؟ یہ طلبا آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ جب تک آپ پورے پندرہ دن گزارنے کا ارادہ نہیں فرمائیں گے، یہ طلبا دار العلوم میں جا کر حدیث نہیں پڑھیں گے۔" چنانچہ اس وقت خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہفتہ اور رہنے کا ارادہ فرما لیا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ:

جب پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کا وقت آیا تو کسی نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، اس نے لکھا: "حضرت! پہلے تو ہمیں اکابرین کے پاس پہنچنے کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ اب پاکستان بن گیا ہے، یہاں ہم کس سے باطنی تعلق رکھیں؟" حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جن دو حضرات کا نام لکھا۔ ان میں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا نام تھا کہ پاکستان کے علما کو چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ رابطہ رکھیں۔

خلفاء کی تعداد:

جامعہ دار العلوم حقانیہ کے بانی حضرت مولانا عبد الحق تھے اور حضرت عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے۔ تقریباً پونے تین سو کے قریب ان کے خلفاء تھے۔ ان کی فہرست پڑھیں تو ہر ایک کوئی مہتمم، کوئی شیخ الحدیث، کوئی ناظم، کوئی کچھ اور، کوئی کچھ ہے۔

(۳۷) حضرت خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نسبت ہمارے پیر و مرشد خواجہ غلام

حبیب رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوئی۔ وہ چکوال کے رہنے والے تھے، علوی النسب تھے اور علوی النسبت رکھنے والے تھے۔ اگر تفصیل پڑھنی ہو تو وہ اس عاجز نے ''حیاتِ حبیب'' کے اندر لکھ دی ہے۔

مرکزِ توحید سے فیض کا آنا:

ان کو مرکزِ توحید سے فیض آتا تھا۔ ''مرکزِ توحید'' کسے کہتے ہیں؟ بیت اللہ شریف کو۔ واقعہ کیسے ہوا؟ ایک مرتبہ خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں طواف کے دوران بیت اللہ شریف کا دروازہ کھلا۔ خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا، کہ اے اللہ! تو مہربانی فرما اور بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کی سعادت نصیب فرما۔ جب آپ اگلے چکر میں واپس آئے تو دربان نے اشارہ کیا کہ آپ اندر تشریف لے جائیں۔ خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لے گئے۔ ایک آدمی جسے آپ نہیں پہچانتے تھے وہ بھی ساتھ حاضر ہوا۔ جب اندر گئے تو ان حضرات نے مسنون طریقے پر نوافل ادا کیے۔ حضرت غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کیوں نہ میں اپنے پیر و مرشد سے اس جگہ بیعت کی تجدید کروں۔ چنانچہ آپ نے حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا: ''حضرت! آپ مجھے اس جگہ دوبارہ بیعت فرما لیجیے، مجھے تجدیدِ بیعت کی سعادت نصیب ہو جائے۔'' حضرت نے قبول فرما لیا۔ جب بیعت ہونے لگے تو جو آدمی ساتھ بیٹھا تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی بیعت کر لیجیے۔ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' اس نے کہا: ''میں عرب کا رہنے والا ہوں۔'' حضرت نے فرمایا: ''آپ عرب کے رہنے والے ہیں اور میں پاکستان کا رہنے والا

ہوں، آپ کا مجھ سے رابطہ مشکل ہے۔ اگر آپ کسی دوسرے مقامی شیخ سے بیعت ہو جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔'' تو وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ حضرت فرماتے ہیں: ''جب میں نے مراقبہ کیا تو دیکھا کہ وہی بندہ جس کو بیعت نہیں کیا تھا وہ کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں مٹی ہے۔ اس نے وہ مٹی پھینکی اور وہ مٹی پہاڑوں کے اوپر سے، دریاؤں کے اوپر سے، درختوں کے اوپر سے اڑتی اڑتی دور کسی علاقے میں جا کر گری جو بڑا سرسبز تھا۔ وہ مجھے کہتا ہے: ''دیکھ رہے ہو؟'' میں نے کہا: ''ہاں! دیکھ رہا ہوں۔'' حضرت فرماتے ہیں: ''میں سمجھا شاید مجھے مراقبے میں نیند آگئی ہوگی، جب مراقبہ ختم ہوا اور ہم نیچے اترنے لگے تو ابھی ہم زینے میں تھے کہ حضرت کھڑے ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ ابدال نے آپ سے کیا باتیں کیں؟ فرماتے ہیں: ''تب مجھے احساس ہوا کہ وہ بندہ ابدال تھا۔'' میں نے کہا: ''حضرت! میں سمجھا کوئی خواب ہے۔'' حضرت نے فرمایا: ''نہیں! وہ بندہ ابدال تھا۔ میں نے اس کو بیعت نہ کر کے اپنے فیض کو محدود کیا۔ اب میرا فیض تمہارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں پھیلائیں گے۔''

حضرت فرماتے ہیں کہ اس بات کو بیس تیس سال گزر گئے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے افریقہ کے ایک ملک ''ری یونین'' میں جانے کی توفیق دی، وہاں میں نے بالکل وہی نقشہ دیکھا جو بیس تیس سال پہلے بیت اللہ کے اندر بیٹھ کر دیکھا تھا۔ اس لیے حضرت فرماتے تھے کہ مجھے مرکزِ توحید سے فیض ملا ہے۔

میرے دوستو! ہم کاملین کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ جس کا ایک مختصر سا خاکہ اس عاجز نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حاصلِ کلام:

اب ایک آیت سن لیجیے! قرآن مجید کی یہ آیت بڑی عجیب ہے:

﴿وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾(الطور:۲۱)

''ایمان والوں کی اولاد جو ان کے ساتھ ایمان کی اتباع کرتی ہے، ہم قیامت کے دن ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کر دیں گے اور ان اولادوں کا ان کے ماں باپ کے ساتھ اکٹھا حشر فرما دیں گے۔

جہاں یہ آیت نسبی تعلق رکھنے والوں کے لیے ہے، وہاں اس سے بڑھ کر یہ آیت روحانی تعلق رکھنے والوں کے لیے ہے۔ اگر ہم ان اکابرین کے نقشِ قدم پر چلیں گے، اپنے سینے کو صاف کرنے کے لیے سچی اور سُچی زندگی گزارنے کے لیے، اپنے دلوں میں یادِ الٰہی پیدا کرنے کے لیے، تقوی وطہارت کی زندگی گزارنے کے لیے اگر ہم کوشش کریں گے، اسی راستے پہ چلیں گے جس پر ہمارے اکابرین چلے تو یاد رکھیے! یہ اللہ کے قرآن کا فیصلہ ہے۔ جو ایمان والے اس دنیا سے چلے گئے اگر ان کی جسمانی یا روحانی اولادیں ہیں جیسا کہ ہم روحانی اولاد ہیں، اگر ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، جو کچھ کمی کوتاہی ہوگی، امید ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے اور ہمیں ہمارے اکابرین کے قدموں میں بیٹھنا نصیب فرما دیں گے۔ آپ کو جو کچھ طریقہ نقشبندیہ کے بارے میں بتایا گیا، اس کو پلے باندھ لیجیے اور زندگی اس کے مطابق گزارنے کی کوشش کیجیے۔

وہ کیسا عجیب وقت ہوگا! جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہوں گے۔

ان کے قدموں میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہوں گے۔

ان کے قدموں میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود ہوں گے۔

ان کے قدموں میں مشائخ بیٹھے ہوں گے۔

پھر ہمیں ان کے قدموں میں بیٹھنا نصیب ہوگا،

اگر ہم اس راستے پر چلتے رہے تو

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ (لقمان:۱۵)

’’تم میرے ان بندوں کے راستے پر چلو، جنہوں نے میری طرف رجوع کیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اِن نیک بندوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

مراقبہ کی اہمیت

مراقبہ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

﴿وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾ (المزمل:۸)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

لطیفہ ءقلب پر ذکر کرنے کا طریقہ:

ہمارے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اسباق میں سے پہلا سبق ''لطیفہ ءقلب'' ہے۔ لطیفہ ءقلب انسان کے سینے میں بائیں طرف کے پستان سے دو انگل نیچے مائل بہ پہلو ہے۔ یعنی بائیں طرف پستان سے دو انگل نیچے جو ٹیڑھی پسلی ہے، اس جگہ لطیفہ ءقلب کی نشاندہی کی جاتی ہے اور انسان لطیفہ ءقلب پر ذکر کرنے کے لیے بائیں طرف ہی توجہ کر کے بیٹھتا ہے۔ یہ دھیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت آ رہی ہے۔ میرے دل میں سما

رہی ہے۔میرے دل کی ظلمت اور سیاہی دور ہو رہی ہے اور میرا دل کہہ رہا ہے ''اللہ اللہ اللہ'' اس دوران زبان تالو سے لگی ہوئی ہو، زبان سے کچھ نہیں پڑھنا، بلکہ یہ سوچنا ہے کہ دل ''اللہ اللہ'' بول رہا ہے۔

ہر چیز بول سکتی ہے:

بھئی! ہر چیز بول سکتی ہے۔جیسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اعضا کو بلوائیں گے اور انسان اپنے جسم کے اعضا سے خفا ہوگا اور کہے گا:

﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾

''تم نے میرے خلاف گواہی کیوں دی؟''

اعضا کہیں گے: ''جناب!

﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ﴾

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی ہے۔''

﴿الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾

''جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی۔'' (فصلت:۲۱)

یہاں سے معلوم ہوا کہ جو پروردگار زبان کو گویائی دینے پر قادر ہے وہ جسم کے ہر عضو کو گویائی دینے پر قادر ہے۔وہ جس عضو کو چاہے نطق کی طاقت عطا فرما دے۔

موجودہ دور نے اس بات کو سمجھنا نسبتاً آسان بنا دیا ہے۔مثال کے طور پر یہ جو باہر اسپیکر ہے، جس سے آپ کو آواز آ رہی ہے۔اس میں کوئی زندہ چیز تو چھپی ہوئی نہیں ہے تو پھر آواز کیسے آتی ہے؟ دراصل اس میں ایک پردہ ہے جس پر مقناطیسی لہریں پڑتی ہیں

اور وہ ہلتا ہے، پھڑ پھڑاتا ہے، اس کے اندر تھرتھراہٹ اور ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ اس ارتعاش کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر بے جان پردہ پھڑ پھڑاتا ہے اور اس کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے، تو اگر جاندار دل پھڑ پھڑائے گا تو کیا اس کے اندر آواز پیدا نہیں ہوسکتی؟ جی ہاں! سن سکتا ہے۔ اس سے بھی آواز پیدا ہوتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پردۂ راز میں رکھ دیا ہے۔ اس کو صرف وہ بندہ سن سکتا ہے، جس کا دل آواز نکال رہا ہوتا ہے، دوسرے بندے نہیں سن سکتے۔ ؎

؎ میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

"عاشق اور معشوق کے درمیان یہ ایک ایسا راز ہے جس کا کراماً کاتبین کو بھی پتا نہیں چلتا۔"

آواز کی فریکونسی:

مزے کی بات یہ ہے کہ اس چیز کو بھی سائنس نے سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ سائنس کہتی ہے کہ جو آواز ہم سنتے ہیں، اس کی ایک فریکونسی یعنی تعدد ہوتا ہے۔ اس تعدد کی آواز ہم سنتے ہیں۔ چنانچہ کانوں کو جو آواز سنوائی جاتی ہے وہ فرض کریں کہ اتنے سو سے لے کر اتنے سو Hertz کی آواز سنتا ہے۔ یا یوں سمجھیے! کہ ایک رینج اور حد ہے کہ اس کے درمیان کی آواز ہمارے کان سنتے ہیں۔ جن لوگوں کے کانوں میں کوئی مسئلہ ہوتا ہے جب وہ ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں تو ڈاکٹر ان کے قریب آواز پیدا کر کے معلوم کرتے ہیں کہ یہ اس رینج سے اس رینج تک سنتا ہے۔ اس سے اوپر کی آواز بھی نہیں سنتا اور اس سے نیچے کی آواز بھی نہیں سنتا۔

جانوروں کی قوتِ سماعت:

جانوروں کے سننے کی رینج انسانوں کے سننے کی رینج سے زیادہ ہوتی ہے۔ وہ بہت باریک آواز بھی سن لیتے ہیں جسے بندہ سن ہی نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر سانپ کے سننے کی رینج بہت بڑی ہے۔ وہ ہلکی سی آہٹ جو بندہ محسوس بھی نہیں کرتا، سانپ اس کو بہت دور سے محسوس کر لیتا ہے۔ آدمی اگر سانپ سے دو فٹ کے فاصلے پر بھی کھڑا ہو تو اس سانپ کو بندے کے کھڑے ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ سانپ بندے کو ایسے ہی دیکھتا ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں یہ کہانیاں پرانی ہوگئی ہیں کہ سانپ بندے کی تصویر اپنے ذہن میں نقش کر لیتا ہے، پھر اگلے سال اس کو ڈھونڈ کر سانپ اس کو کاٹتا ہے۔ یہ سب فضول افسانے ہیں۔ سپیروں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ سائنس نے ان سب کو رد کر دیا ہے۔ چیزوں کو جتنا کلیئر انسان کی آنکھ دیکھتی ہے، سانپ اتنا کلیئر نہیں دیکھ سکتا۔

سانپ کیسے دیکھتا ہے؟ وہ انسانوں کو ایک ہیولا سا محسوس کرتا ہے۔ اس کو انسانی جسم سے ٹمپریچر سے نکلنے والی حرارت کی لہریں محسوس ہوتی ہیں۔ ان کو ''انفرا ریڈ ریز'' کہتے ہیں۔ اس کو بندے کی ایسے ہی شکل سی نظر آئے گی اور جہاں جہاں خون کی شریانیں ہیں، وہ جگہ اس کو زیادہ سرخ نظر آئے گی اور باقی جسم ذرا کم نظر آئے گا۔ اس سے اس کو پتہ چل جائے گا کہ یہ انسان ہے یا کون ہے؟ یعنی اس کو صرف ایک شکل سی محسوس ہوگی اور جہاں گرم گرم خون چل رہا ہوتا ہے، وہاں اس کو رنگ ذرا گہرا نظر آئے گا۔ وہ گہرا رنگ دیکھ کر سانپ اس جگہ ڈنگ لگاتا ہے۔ وہ چونکہ خون کی شریان ہوتی ہے اس لیے زہر کا اثر سیدھا خون کے اندر چلا جاتا ہے۔

سانپ کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کے سامنے کیا ہے۔ اس کے پاس ایک بکری گزرے گی

تو اس کو بکری کی شکل کا ایک ہیولا نظر آئے گا۔ جیسے اس کو بکری کا پتہ نہیں ہوتا، ایسے ہی اسے ہرن کے بچے کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ وہ شکل سے کسی کو نہیں پہچانتا۔ اسے کتے اور بلی کا بھی پتہ نہیں۔ وہ ان کے جسم سے حرارت کی لہروں سے اندازہ لگاتا ہے کہ کوئی چیز سامنے ہے۔ وہ اس سے بچنے کے لیے اسے ڈستا ہے۔

سانپ کتنے فاصلے سے دیکھتا ہے؟ وہ ایک میٹر قریب سے دیکھتا ہے۔ اگر ایک میٹر سے زیادہ فاصلے پر بندہ کھڑا ہو تو سانپ کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہاں کوئی ہے بھی یا نہیں؟ اس لیے سانپ سے ڈرنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ سانپ پیچھے بھاگتا ہے۔ وہ دراصل آواز کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ بندہ آگے بھاگتا ہے، اس کو قدموں کی آوازیں آتی ہیں اور وہ آواز کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ آگے کون ہے؟ گھوڑا بھاگ رہا ہے؟ گدھا بھاگ رہا ہے؟ یا بندہ بھاگ رہا ہے؟ اس کو کیا پتہ؟ وہ تو آواز کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک انسان کہیں خاموش کھڑا ہو اور سانپ اس سے دو فٹ کے فاصلے پر گزر جائے تو سانپ کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں؟ لیکن ہمیں چونکہ اس بات کا پتہ نہیں ہوتا اس لیے اگر اس طرح ہم خود سانپ کو دیکھ لیں تو شور مچا دیتے ہیں، تاکہ اس کو جلدی پتہ چلے۔ کیونکہ آواز کو تو وہ جلدی محسوس کر لیتا ہے۔

بہرحال سانپ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ فرض کریں کہ اگر کسی کے پاس لاٹھی ہے تو ماشاء اللہ سانپ کا علاج موجود ہے۔ اگر بندہ ایک میٹر دور کھڑا ہو کر سانپ کے اوپر لاٹھی دبا دے تو سانپ کو کوئی پتہ نہیں چلے گا۔ جب آپ سانپ دیکھیں اور لاٹھی آپ کے پاس ہو تو اس کو خاموشی سے اس کے اوپر دبا دیں، جب درمیان میں دبا دیں

گے تو پھر وہ ہل نہیں سکے گا۔ جب وہ ہل نہیں سکے گا تو پھر دوسرے ہاتھ سے اس کے سر پر کوئی چیز مار کر اسے مار دیا جائے۔ سانپ کو مارنا تو بڑا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بہادری پسند ہے، اگرچہ سانپ اور بچھو کا مارنا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے بہادر بنیں!

ہاں! سانپ کو دیکھ کر بعض اوقات بندے کے اندر خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے انسان کے اندر سے ایک کیمیکل نکلتا ہے۔ سانپ اس کیمیکل کو سونگھ لیتا ہے۔ جب وہ سونگھ لیتا ہے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ کوئی حملہ آور میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے دفاع میں اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا جو بندہ نہ گھبرائے وہ اگر سانپ سے دو فٹ کے فاصلے پر بھی کھڑا رہے تو سانپ کو کچھ پتا نہیں چلے گا، کہ کوئی قریب ہے بھی یا نہیں؟ البتہ جب وہ گھبرائے گا تو پسینے کی طرح جسم سے ایک کیمیکل نکلے گا جس کو ہم محسوس ہی نہیں کر سکتے، سانپ محسوس کر لیتا ہے۔ اسے وہ محسوس کر کے بندے پر حملہ کرتا ہے اور اسے ڈس لیتا ہے۔

جب زلزلہ آتا ہے تو زمین میں سے کچھ آوازیں نکلتی ہیں، لیکن ان آوازوں کی فریکونسی یعنی تعداد ایسا ہوتا ہے جس کو انسان نہیں سن سکتا، البتہ حیوان سن لیتے ہیں۔ اس لیے امریکہ، افریقہ اور یورپ کی ریسرچ لیبارٹریز میں اتنی ترقی کے باوجود اس وقت بھی کتے بلے پالے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب زلزلہ آنا ہوتا ہے تو وہ مختلف حرکتیں کرنا شروع کرتے ہیں۔ ان کی حرکتوں سے ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ زلزلہ آ رہا ہے۔ آلات نہیں بتاتے، جانور بتا دیتے ہیں۔ زلزلے سے ایک دو دن پہلے ہی ان کو زمین کے اندر کی تبدیلی محسوس ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی حرکات زلزلے کی پیشگی اطلاع دے دیتی ہیں۔ اس لیے وہ لوگ زلزلے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے بھی پتہ چلا

کہ انسان کی بنسبت حیوانوں کے سننے کی رینج زیادہ ہوتی ہے۔

ممکن ہے کہ ایک آواز ایسی ہو جس کو جانور تو سن رہے ہوں مگر انسان نہ سن رہا ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جیسے یہاں پر وہ برقی لہریں موجود ہیں، جو مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہو رہی ہیں، لیکن ہم ان کو نہ محسوس کر سکتے ہیں اور نہ ہی سن سکتے ہیں۔ اگر ہم ریڈیو چلا دیں تو وہ ہمیں سنا دے گا۔ حالانکہ لہریں تو اب بھی موجود ہیں، مگر ہم اس کے بغیر نہیں سن سکتے۔ اسی طرح آواز کی لہریں موجود ہوتی ہیں، مگر رینج زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمارے کان نہیں سن پاتے۔

چوہے بھگانے کے لیے ایک چھوٹا سا آلہ بنا ہوا ہے...... بڑے بڑے گوداموں میں چوہے آ جاتے ہیں، وہ گندم بھی کھا جاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت زیادہ نقصان کر جاتے ہیں......لوگوں نے اس نقصان سے بچنے کے لیے الیکٹرونکس کا ایک چھوٹا سا آلہ بنایا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا نام ''بائی بائی ریٹ'' رکھا ہوا ہے۔ یعنی ''چوہے! خدا حافظ''۔ جب اس آلے کو رکھ کر چلاتے ہیں تو اس میں سے ایک آواز نکلتی ہے، جو انسان محسوس ہی نہیں کر سکتے، لیکن چوہے کے کانوں میں وہ آواز ایسے پڑتی ہے جیسے کانوں میں کوئی ڈھول بجا رہا ہو۔ اس سے اس کے کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں اور وہ بے چارہ وہاں سے بھاگ پڑتا ہے۔ اس طرح وہ اس جگہ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

ہم نے خود ایک جگہ یہ آلہ دیکھا۔ ہم نے کہا: ''سبحان اللہ! آج ذکرِ قلبی کی حقیقت سمجھ میں آ گئی......آواز نکل رہی ہے۔ چوہا سن رہا ہے، لیکن ہم نہیں سن رہے۔ اسی طرح دل سے ''اللہ اللہ'' کی آواز نکل رہی ہوتی ہے، بندہ خود تو سن رہا ہوتا ہے، لیکن دوسرے نہیں سن رہے ہوتے۔

جس کا دل جاری ہوتا ہے وہی سنتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فریکونسی علیحدہ بنا دی ہے۔ چنانچہ جب میرا دل جاری ہوگا تو میرے کان سنیں گے، اور جب کسی دوسرے کا دل جاری ہوگا تو اس کے کان سنیں گے، کوئی دوسرا بندہ سن ہی نہیں سکتا۔ جیسے لاک ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی ہر ایک کو لاک کر دیا ہے۔ ہر ایک کی فریکونسی علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جس بندے کا دل جاری ہوتا ہے وہ سنتا ہے، دوسرے نہیں سنتے تو اس سے تعجب میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ آج سائنس نے بات سمجھا دی ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ اگر دوسرے بھی سن رہے ہوتے تو پھر راز کیسے رہتا؟ پھر ذکرِ خفی نہ رہتا، ذکرِ جلی ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ خفی رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جیسے محب اور محبوب کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ

ے آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہوگئے
تم ہمارے ہم تمہارے ہوگئے

ایسے ہی بندے اور اللہ کے درمیان یہ بھی ایک اشارہ ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست بیٹھا ہوتا ہے اور کسی کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔

ذکرِ خفی کی فضیلت:

ذکر قلبی وہ نعمت ہے جس کو ''ذکرِ خفی'' کہا گیا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

﴿خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ﴾ (صحیح ابنِ حبان، رقم:۸۰۹، شعب الایمان، رقم:۵۵۱)

''بہتر ذکر خفی ہوتا ہے۔''

یعنی ''ذکرِ خفی'' کا لفظ حدیث پاک میں آیا ہے۔حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ جس ذکر کو فرشتے سنتے ہیں اس سے وہ ذکر جس کو وہ نہیں سنتے، ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔(کنز العمال، رقم:۱۹۲۹، شعب الایمان، رقم:۵۵٦)

گویا ذکرِ لسانی کی نسبت ذکرِ خفی ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

قلب جاری ہونے کی علامت:

قلب جاری ہوتا ہے اور انسان ذکر سنتا ہے۔قلب جاری ہونے کا کیا مطلب؟ بزرگوں نے اس کے کئی مفہوم لکھے ہیں۔فرماتے ہیں:

- ......قلب جاری ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انسان کو اپنے قلب سے ''اللہ اللہ'' کی آواز کا باقاعدہ ادراک شروع ہو جاتا ہے۔
- ......قلب کا جاری ہونا یہ بھی ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت آجاتی ہے، کہ اس دل کا حکم انسان کے اعضا پر جاری ہو جاتا ہے۔یعنی اس کی پوری زندگی شریعت کے مطابق بن جاتی ہے۔اس کے اعضا شریعت کے مطابق کام کرتے ہیں۔گویا اس کے قلب کو باقی اعضا پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے۔قلب کا کنٹرول اعضا پر اور اللہ تعالیٰ کا کنٹرول اس کے قلب پر۔

واقعی! علامات یہی ہیں۔جس بندے کو شریعت کے مطابق زندگی نصیب ہوگئی، قلب بھی اس کا جاری ہوگیا۔اور اگر شریعت پر عمل نہ ہو تو پھر یہ نعمت بھی نہیں ملے گی۔ جیسے کسی نے کہا تھا:

''ذِكْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَذِكْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ.''

بات تو ایسے ہی ہے۔مگر شریعت کی پابندی نہیں تو زبانی ذکر لقلقہ کے مانند ہے اور قلبی

ذکر وسوسہ کے مانند ہے۔بھئی! آخر میں نتیجہ تو اس وقت اچھا نکلے گا جب انسان شریعت کے مطابق زندگی گزارنے والا بن جائے گا۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:''کوئی نقشبندی ہے،کوئی چشتی ہے، کوئی قادری ہے،کوئی سہروردی ہے، اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تو تم سب کچھ ہو، ورنہ کچھ بھی نہیں ہو۔''

اصل چیز تو یہ ہے کہ دل میں ایک خدا کی یاد ہو۔یہی اصل مقصود ہے۔

فکر کی گندگی کا علاج:

مراقبہ ایک عجیب مشق ہے۔کچھ عرصہ تک مراقبہ کرنے کے بعد واقعی انسان کو قلب کی طرف دھیان نصیب ہو جاتا ہے۔اِدھر اُدھر کے فاسد خیالات کو ہمارے مشائخ ''فکر کی گندگی'' کہتے ہیں۔شیطانی،شہوانی اور نفسانی وساوس کا دل میں آنا ''فکر کی گندگی'' کہلاتا ہے اور ہمارے مشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ ''فکر کی گندگی ذکر سے دور ہوتی ہے۔''

جو بندہ یہ کہے کہ مجھے شیطانی خیالات بہت آتے ہیں،نفسانی،شہوانی خیالات بہت آتے ہیں، وہ ذکر کی کثرت کرے۔ذکر کی کثرت ان تمام فاسد خیالات سے نجات دلا دیتی ہے۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم ذکر کرتے ہی تھوڑا ہیں۔ایک مثال سے بات سمجھیے!ایک ڈاکٹر آپ کو کہتا ہے کہ آپ نے صبح،دوپہر،شام اینٹی بائیوٹک دوائی کھانی ہے یعنی دن میں تین مرتبہ۔اور ہم تیسرے دن ایک گولی کھا رہے ہوں،تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دوائی بھی بالکل ٹھیک ہے، استعمال بھی ہم کر رہے ہیں،لیکن بیماری بھی نہیں چھوڑ رہی۔اگر ہم کہیں کہ جی ڈاکٹر صاحب! بیماری تو ہماری جان ہی نہیں چھوڑ رہی،تو وہ کہے گا:''آپ

دوائی تو ٹھیک کھا رہے ہیں، لیکن آپ اس کی مقدار ٹھیک استعمال نہیں کر رہے۔''

اسی طرح ہم ذکر تو کرتے ہیں مگر پانچ منٹ۔ پوری دوائی سے پورا فائدہ اور آدھی دوائی سے آدھا فائدہ۔ دراصل ہم اپنی روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے دوائی کی مقدار پوری استعمال نہیں کر رہے ہوتے، جس کی وجہ سے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ بھئی! سالوں میں بگڑنے والا بندہ منٹوں میں کیسے سنور سکتا ہے؟ اس لیے آپ مراقبے میں بیٹھنے کی عادت ڈالیں۔

تصورِ جاناں میں بیٹھنے کا مزہ:

جب قلب کے اندر کچھ کیفیت آتی ہے تو پھر گھنٹوں کے حساب سے بیٹھنے میں مزہ آتا ہے۔ پھر تو انسان مراقبے میں بیٹھنے کے لیے وقت تلاش کرتا ہے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

ایسے بھی سالک تھے کہ جب وہ مراقبہ کرنے کے لیے بیٹھا کرتے تھے تو وہ اس سے پہلے دو نفل پڑھ کر یہ دعا مانگا کرتے تھے ''اے اللہ! کسی ڈسٹرب کرنے والے کو نہ بھیج دینا۔''

نبی رحمت ﷺ کی محفلِ سکوت کا منظر:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں جو لمبا سکوت ہوتا تھا، کیا وہ معاذ اللہ بے مقصد ہوتا تھا؟ اچھا! یہ بتائیں کہ کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں صحابہ کرامؓ اتنی خاموشی اور اتنے ادب کے ساتھ بیٹھتے تھے، کہ جیسے پرندے سروں پر آ کر بیٹھ جائیں تو بھی ان کو کوئی

خبر نہ ہو، تو یہ اتنی لمبی خاموشی کیسے ہوتی تھی؟ کیا بولنے سے ہوتی تھی؟ کیا حرکتیں کرنے سے ہوتی تھی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا با ادب اور خاموش بیٹھتے تھے کہ لگتا تھا کہ کوئی لکڑی ہے اور اس پر پرندہ آ کر بیٹھ گیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں جو یہ خاموشی ہوتی تھی اسی کا نام ''محفلِ سکوت'' ہے۔ بعد میں اسی محفلِ سکوت کو ہی مراقبہ کہا جانے لگا۔ بس! خاموش بیٹھو اور دل میں اللہ کو یاد کرو۔

؎ کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

فقہاء میں خاموش رہنے کی عادت:

آپ دیکھیں گے کہ اکثر فقہاء خاموش رہنے کے عادی ہوں گے...... فقاہت چیز ہی ایسی ہے...... فقاہت اور تصوف کا آپس میں بڑا جوڑ ہے۔ اس لیے آپ جتنے بھی فقہاء کو دیکھیں، وہ سب صوفیا تھے، سب صاحبِ نسبت تھے۔ مثال کے طور پر:

- ......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جاتے تھے۔ کسی نے کہا: ''حضرت! آپ اتنے درجے والے ہیں کہ آپ مجتہد کے مقام پر فائز ہیں، مجتہد فی الشرع ہیں، اتنے بڑے عالم ہیں اور ایک ایسے بندے کے پاس جاتے ہیں جو پڑھا ہوا بھی نہیں۔'' اس کے جواب میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں عالم بکتاب اللہ ہوں۔ بشر حافی عالم باللہ ہے اور عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضلیت حاصل ہے۔''
- ......امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پڑھ کر دیکھیں! وہ خاموش طبع تھے...... علم کے

بعد خاموشی کا مزہ آتا ہے۔ اکثر ٹرٹر وہی کرتا ہے جس کے پاس علم تھوڑا ہوتا ہے۔ جس کے علم میں گہرائی نہیں ہوتی وہی زیادہ بولتا ہے اور جس کے علم میں گہرائی ہوتی ہے وہ کلام کرنے سے پہلے سوچتا ہے۔ اس لیے ہمارے بڑوں نے کہا: ''پہلے تو لو، پھر بولو۔'' آج تو تولنے کی عادت ہی نہیں۔ شاید بول کے تولتے ہوں گے۔ نیا دور جو آ گیا!......

......قریب کے زمانے میں ابنِ عابدین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیں۔ وہ علامہ خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور علامہ خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور حضرت خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ آج جہاں مفتی ہوں گے وہاں ''فتاویٰ شامی'' ضرور ہوگا۔

ہمارے اکابرین علمائے دیوبند میں جتنے مفتی حضرات گزرے ہیں وہ آپ کو سب کے سب صاحبِ نسبت نظر آئیں گے۔

......مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان تھے۔ وہ بھی صاحبِ نسبت تھے۔

......جامعہ اشرفیہ کے بانی مبانی مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے! وہ بھی صاحبِ نسبت تھے۔

بہر حال خاموش رہنا فضیلت کی بات ہے۔ زیادہ بولنا اچھی صفت نہیں ہے۔ آدمی کلام کرے تو با مقصد کلام کرے۔ ہم نے اپنے حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ اگر کوئی ان کی محفل میں آ کر بیٹھتا اور آدھا گھنٹہ خاموش رہتا تو وہ بھی آدھا گھنٹہ خاموش رہتے تھے...... اتنا علم اور اتنی خاموشی!...... لیکن جب کوئی کسی قسم کا سوال پوچھتا تو اس کے جواب میں گھنٹے گزر جاتے تھے۔

ایک دفعہ ہم نے محفل میں بیٹھے ہوئے ''اذانِ جوق'' کے بارے میں سوال پوچھ لیا ......اب اس کا جواب میرے خیال میں کوئی دو منٹ کی بات ہوگی......لیکن ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اذانِ جوق کے مسائل سمجھانے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیا۔ ہم سن سن کر حیران ہوتے رہے کہ اس کی اتنی تفصیل اور اتنی جزئیات تھیں! اللہ اکبر!

وہ مسکین پور شریف کے اجتماع میں تشریف لاتے تھے۔ ادھر سے یونیورسٹی کے طلبا کی جماعت جاتی تھی اور حضرت ہمیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ دیا کرتے تھے۔ اس سارے وقت میں صرف ایک سوال پوچھ سکتے تھے۔ جو سوال پوچھ لیتے تھے اسی پر وہ ڈیڑھ گھنٹہ مکمل ہو جاتا تھا۔ جو سوال مرضی پوچھو۔ مثلاً: کسی نے ایک مرتبہ لباس کے بارے میں پوچھ لیا کہ جی! اس کے بارے میں سنت کیا ہے؟ اب ڈیڑھ گھنٹہ لباس کے موضوع پر ہی بات ہوتی رہی۔ اللہ اکبر! وہ بات کو ایسے کھولتے تھے کہ ہم حیران ہو کر سوچتے تھے کہ یہ ساری باتیں اسی دماغ میں موجود تھیں؟ اگر کوئی ذکرِ قلبی کے بارے میں پوچھتا تو ڈیڑھ گھنٹہ اسی پر بات ہوتی رہتی تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ ان کی گفتگو ہمیشہ جواب ہوتی تھی۔ اس بات کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے۔ اگر آپ ایک گھنٹہ خاموش بیٹھے ہیں تو وہ بھی ایک گھنٹہ خاموش بیٹھیں گے، خود نہیں بولیں گے۔ ہاں! جب کسی نے کوئی سوال پوچھا تو پھر ان کی گفتگو جواب میں ہوتی تھی۔ اور جس عالم کی گفتگو جواب ہوگی وہ عالم بخش دیا جائے گا۔ اس لیے کہ اب گفتگو کرنا اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ جواب دینا اس پر لازم ہے۔ گویا وہ جب جواب دے گا تو وہ اپنی ڈیوٹی ادا کر رہا ہوگا۔ ہاں! اگر وہ اپنی طرف سے بات شروع کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ زیادہ مؤاخذہ میں آ جائے۔

چپ رہنے کا مزہ:

ذکرِ قلبی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ پھر انسان زیادہ بولتا نہیں ہے۔ خاموش رہنے کو اسکا دل کرتا ہے۔ جیسے بولنے کا اپنا مزہ ہوتا ہے اسی طرح چپ رہنے کا بھی اپنا مزہ ہے۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں چپ رہنے کا مزہ نصیب کر دے۔ (آمین) ویسے جس بندے کو آپ چپ دیکھیں تو یہ علامت ہوگی کہ وہ غم زدہ ہے۔ جن کو اللہ سے محبت ہوتی ہے وہ بے چارے چپ ہوتے ہیں۔ ان کا دل اس کی محبت میں غم زدہ ہوتا ہے۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خاموش طبعی:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش طبع تھے۔ وہ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے۔ وہ بہت کم وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کا خادم کہنے لگا: ''حضرت! آپ کچھ وعظ ونصیحت کیا کریں تا کہ لوگوں کو فائدہ ہو۔'' حضرت نے فرمایا: ''جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا، وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔''

اس لیے سالک کو چاہیے کہ وہ خاموش رہے۔ تب ہی ذکرِ قلبی ہوگا اور تب ہی وقوفِ قلبی کا خیال رکھ سکے گا۔ یہ ٹرٹر کرنے کی عادت بتاتی ہے کہ اندر غفلت ہے۔ آج تو حالت یہ ہے کہ لوگ دومنٹ خاموش بیٹھ جائیں تو گھبرانے لگتے ہیں، کچھ ہونے لگتا ہے ان کو، جیسے ان بے چاروں کی جان ہی نکل رہی ہو۔

مراقبہ کا شرعی ثبوت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک محفل میں لمبی خاموشی ہوتی تھی۔ اس نکتے کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''مکتوبات'' میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتنی لمبی

دیر خاموش رہنا بے مقصد نہیں تھا۔'' دوسری طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ.''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لمحے اللہ کا ذکر کرتے تھے۔'' (مسندِ احمد، رقم: ۲۶۳۷۶)

ایک یہ حدیث پاک ہے کہ ہر لمحے ذکر کرتے تھے اور ایک وہ حدیث پاک ہے کہ لمبی دیر خاموش ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ خاموشی ذکر کی خاموشی ہوا کرتی تھی۔ اسی کو ہم ''مراقبہ'' کہتے ہیں۔ اگر ہم نے اس خاموشی کا نام ''مراقبہ'' رکھ دیا تو کیا ہو گیا؟ آپ اس کا نام کچھ اور رکھ دیں۔ ہم آپ کو منع تو نہیں کرتے۔ کریں سہی، نام بے شک اور رکھ لیں۔ ٹھیک ہے آپ بے شک یہ کہہ دیں میں ''محفلِ سکوت'' میں بیٹھا ہوں، مگر بیٹھیں تو سہی۔ بھئی! اصل مقصد کو دیکھا جاتا ہے کہ اس کی اصل بنیاد ملتی ہے یا نہیں ملتی؟ ناموں میں کیا رکھا ہے؟ یہ تو ذکر کا وہ طریقہ ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر اختیار فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے اکثر خاموش رہنے کی عادت ڈالیں اور توجہ اللہ کی طرف رکھیں۔

''وقوفِ قلبی'' کسے کہتے ہیں؟

خاموشی کی وجہ سے انسان اپنے قلب کی طرف متوجہ رہتا ہے اور انسان ہر وقت خیال کرتا ہے کہ میرا دل ''اللہ اللہ'' کر رہا ہے۔ وقوفِ قلبی کا آپ کو اتنا مزہ آئے گا کہ آپ کو بولنا بوجھ محسوس ہوگا۔ جب آپ کو بولنا بوجھ محسوس ہوگا تب آپ سمجھنا کہ اب میرا راستہ کھل رہا ہے۔ پھر کسی کے ساتھ بات کرنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بندہ پریشان ہوتا ہے اس کا دل کرتا ہے کہ مجھ سے کوئی بات ہی نہ کرے۔ اگر کوئی

اس سے زیادہ باتیں کرے تو وہ تنگ آ کر کہتا ہے: ''جاؤ! میرا سر نہ کھاؤ۔''

مراقبہ اور وقوفِ قلبی کثرت سے کریں۔ کام میں مصروف ہوں تو وقوفِ قلبی اور اگر کام سے فارغ ہوں اور اللہ نے وقت فارغ دیا ہو تو مراقبہ ڈٹ کے کریں۔ گھنٹوں مراقبہ کریں۔ اللہ کی یاد میں بیٹھے ہی رہیں۔

مراقبہ میں وساوس کا آنا:

یہاں پر ایک نکتہ سمجھیں! جو سالک مراقبہ کرنے کی ابتدا کرتا ہے اس کو وساوس بہت آتے ہیں۔ اکثر لوگ اسی وجہ سے مراقبہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: ''جی! آگے پیچھے وساوس نہیں آتے، لیکن جب مراقبہ میں بیٹھتے ہیں تو وساوس بہت آتے ہیں۔'' یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ دیکھیں! اگر ایک کمرے کے اندر بلی نے نجاست ڈال دی تو جیسے ہی آپ کمرے کا دروازہ کھولیں گے تو آپ کو اندر سے بد بو آئے گی۔ کیا آپ دروازہ کھول کر فوراً بند کر دیں گے اور کہنا شروع کر دیں گے کہ اندر بد بو ہے، اندر بد بو ہے؟ بھئی! بد بو تو رہے گی۔ اب اس کا حل یہ ہے کہ دروازہ کھولیں۔ اس بد بو کو تھوڑی دیر کے لیے برداشت کریں اور اس کو صاف کر دیں۔ اسی طرح شیطان بلی نے ہمارے دل کے اندر نفسانیت اور شیطانیت کی گندگی اور نجاست ڈالی ہوئی ہے۔ اس لیے جب ہم دل کی کھڑکی کھولتے ہیں اور اس پر اپنی توجہ ڈالتے ہیں تو اندر سے اس بلی کے گند کی بد بو آتی ہے۔

اگر ہم جلدی اٹھ جائیں اور کہیں کہ ہم مراقبہ نہیں کر سکتے تو پھر وہ گند اندر ہی رہے گا۔ اس لیے اس کو برداشت کریں اور مراقبے میں بیٹھے رہیں۔ مگر ہو گا کیا؟ اگر آپ کے پاس سو سیکنڈ ہیں تو ان میں سے سو کے سو سیکنڈ آپ کو برے خیال آئیں گے۔ جب دوسرے دن بیٹھیں گے تو ننانوے سیکنڈ برے خیال آئیں گے اور ایک سیکنڈ کے لیے اچھا خیال

بھی آئے گا۔ ایک سیکنڈ کے لیے یکسوئی بھی ملے گی اور اللہ کی طرف دھیان بھی ہوگا۔ پھر جب تیسرے دن بیٹھیں گے تو تین سیکنڈ یکسوئی کے ساتھ ہوں گے اور ستانوے سیکنڈ برے خیالات آئیں گے۔ اس طرح برے خیالات کے سیکنڈ گھٹتے جائیں گے اور توجہ الی اللہ کا وقت بڑھتا جائے گا، حتیٰ کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ آپ مراقبے میں بیٹھیں گے تو اللہ کی یاد میں ڈوب جائیں گے۔

جن لوگوں نے بھی ذکر شروع کیا، کوئی بھی تھا، ابتدا سب کی اسی طرح وساوس سے ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ وساوس صرف آپ کو آتے ہیں۔ بڑے بڑے اولیاء نے بھی جب مراقبہ شروع کیا تو ان کو شروع میں یہی مسئلہ پیش آیا۔ بھئی! جب مکان بنتا ہے تو زمین سے ہی کام شروع ہوتا ہے، ہوا سے تو شروع نہیں ہوتا۔ شروع زمین سے ہوتا ہے، لیکن پھر اس پر جتنی مرضی منزلیں بنالو۔ اسی طرح جب بھی آپ مراقبہ کریں گے تو وساوس کی زمین سے ہی عمارت اٹھنا شروع ہوگی۔ لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان وساوس کا مقابلہ کریں اور ان وساوس کے باوجود آپ متوجہ ہو کر بیٹھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمادیں گے اور تھوڑے ہی دنوں میں آپ کو ان شاء اللہ یکسوئی اور جاذبیت محسوس ہونا شروع ہو جائے گی۔

اگر مراقبہ میں نیند آئے تو......:

ایک بات اور سمجھ لیجیے! جب لوگ مراقبہ میں بیٹھتے ہیں تو ان کو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے نیند آرہی ہے اور ہم سو گئے۔ اس سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں کہ جب ہم مراقبے میں سو جاتے ہیں تو پھر مراقبہ میں بیٹھنے کا فائدہ کیا ہے؟ بھئی! یہ بھی شیطانی دھوکہ ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مراقبے کی نیت سے بیٹھ جائیں۔ آگے نیند طاری ہوتی ہے یا کیا ہوتا

ہے، اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ہمارے اختیار میں تھا مراقبے کی نیت سے بیٹھ جانا۔ اب آگے کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ آپ کو بیٹھنے کا اجر مل جائے گا۔ بس آپ مراقبے میں بیٹھیے!

اب ذرا اس کی حقیقت سمجھ لیجیے! جب بندہ مراقبہ میں بیٹھتا ہے تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت، برکت اور سکینہ نازل ہوتی ہے۔ جب انسان کا دل وہ رحمت، برکت اور سکینہ قبول کرتا ہے تو اس کو اونگھ سی محسوس ہوتی ہے، وہ نیند نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں اس کی دلیل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً﴾ (الانفال:۱۱)

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح:۲۶)

''اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور ایمان والوں پر سکینہ نازل فرمائی۔''

اس سکینہ کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ ان کو اونگھ محسوس ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ان انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے تو بعض اوقات بندے کو ان برکتوں کی وجہ سے اونگھ سی محسوس ہوتی ہے، وہ نیند نہیں ہوتی۔ دراصل عام بندہ نیند میں اور اونگھ میں فرق نہیں پاتا۔ بہر حال! نیند ہے یا اونگھ ہے، یہ ہمارے بس میں نہیں ہے، ہمارے بس میں تو بیٹھنا ہے۔ بس غلام بیٹھ گیا۔ چونکہ فیض اور نور کے حاصل کرنے کی نیت کر کے بیٹھا تھا، اس لیے ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' کے تحت اللہ تعالیٰ اس کو اس نیند کی حالت میں بھی رحمت اور برکت عطا فرما دیں گے۔

بھئی! سو جانے سے فیض آنا بند نہیں ہوتا۔ کیا کہیں لکھا ہوا ہے کہ جاگنے سے فیض ملے گا اور سونے سے فیض بند ہو جائے گا؟ ایسا تو کہیں نہیں لکھا ہوا۔ فیض تو سونے کی حالت

میں بھی ملتا ہے اور جاگنے کی حالت میں بھی ملتا ہے۔ وہ تو اللہ کی طرف سے رحمت برستی ہے۔ ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ ہمیں نیند آتی ہے یا جاگتے ہیں۔نہیں! ہمارا کام ہے بیٹھنا۔ہم اپنے آپ کو سمجھائیں کہ میرا کام تو اللہ کی یاد میں بیٹھنا تھا۔ میں دل میں نیک نیت لے کر بیٹھ گیا ہوں۔اب اگر نیند بھی آتی ہے تو اللہ کے اختیار میں ہے۔دعا مانگا کریں''اے اللہ! مجھے حضوری کا مراقبہ عطا فرما دے۔'' یہ دعا مانگ کر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ان شاء اللہ آپ کے یہ اونگھ والے مراقبے بھی آپ کے دل کو جاری کرنے کے لیے کافی ہو جائیں گے۔اس نیند کی وجہ سے انسان کی ترقی رکتی نہیں ہے۔

کئی سالک خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ''حضرت! میں مراقبہ تو کرتا تھا لیکن مراقبہ میں سو جاتا تھا۔ اس لیے مراقبہ کرنا چھوڑ دیا کہ اس سونے کا کیا فائدہ؟'' بھئی! اگر مراقبے میں نیند بھی آ گئی تو اللہ تعالیٰ مراقبے کا اثر بھی عطا فرما دیں گے اور مراقبے کا اجر بھی عطا فرما دیں گے۔بس ہمارا کام ہے مراقبے میں بیٹھنا۔نہ تو ہم نے وساوس کی وجہ سے مراقبہ چھوڑنا ہے اور نہ ہی ہم نے نیند کی وجہ سے مراقبہ چھوڑنا ہے۔یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ کئی مرتبہ سالک کو نیند آ بھی جاتی ہے۔ دراصل مراقبے میں بیٹھنا، نیند کی بہترین کیفیت ہے۔

ذکر سے سکون ملنے کا سائنسی ثبوت:

میں نے سائنسی ریسرچ پر مبنی ایک عجیب پیپر پڑھا۔اس پر لکھا ہوا تھا کہ انسان کو جب نیند آتی ہے تو اس کی دماغی کیفیت اور ذکر کرنے کے وقت کی کیفیت ایک جیسی ہوتی ہے۔اس پر بھی سائنس کی ریسرچ ہو گئی ہے۔اس لیے ذاکر کو نیند کا پرابلم نہیں ہوتا۔ جب چاہے نیند کر لے۔

حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نیند کی کیفیت:

حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نیند کیسی تھی؟ ایک مرتبہ حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میری نیند مرغے کی نیند کی طرح ہے۔'' اس عاجز نے پوچھا: ''حضرت! مرغے کی نیند کا کیا مطلب؟'' فرمانے لگے: ''مرغا چل رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک پاؤں آگے رکھنے کے لیے اٹھاتا ہے۔ وہیں تھوڑی دیر کے لیے نیند کا جھٹکا سا محسوس کرتا ہے اور اس سے اس کی نیند پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر چلنا شروع کر دیتا ہے۔''

واقعی! ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر میں انسان کو اللہ تعالیٰ سکون دے دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ والے تھوڑی دیر کے لیے سوتے ہیں تو ان کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جو پروردگار چھ گھنٹے کی نیند میں سکون عطا فرما سکتے ہیں، وہ چھ منٹ کی نیند میں بھی سکون عطا فرما سکتے ہیں۔

سو کر مراقبہ کرنا:

بعض سالکین پوچھتے ہیں کہ کیا رات کو سوتے وقت مراقبے کی نیت سے سو سکتے ہیں؟ یہ بہت اچھی بات ہے۔ شروع میں ہمارے مشائخ کا دستور ہی یہی تھا کہ وہ عشا کے بعد مراقبے کی نیت سے بیٹھ جاتے تھے اور اسی میں ان کی نیند پوری ہو جاتی تھی۔ وہ لیٹ کر سوتے ہی نہیں تھے۔ اور بعض حضرات ایسے تھے جو عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھتے تھے اور جب وہ نیند کی وجہ سے گرتے تھے تب سوتے تھے، اس سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

ساری رات مراقبہ کرنے والے بزرگ:

قریب کے بزرگوں میں حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں والے ایک ایسے

بزرگ ہیں کہ جن کے ہاں ساری رات مراقبہ ہوتا تھا۔حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''جب ہم ملنے گئے تو فرمانے لگے:''اچھا جب ملنے آئے ہو تو مراقبہ ہی کرتے جاؤ۔ چنانچہ ہم مراقبے میں بیٹھ گئے اور اس مراقبے میں بیٹھے بیٹھے دو گھنٹے گزر گئے۔اب ہمیں اپنے وقت کا بار بار خیال آرہا ہے کہ پیچھے جانا ہے۔فلاں کام کرنا تھا اور کام بھی کوئی ضروری تھا۔ ہماری عجیب کیفیت تھی کہ ہم اس حالت میں اٹھ کر جا بھی نہیں سکتے تھے اور حضرت بھی مراقبہ ختم نہیں فرما رہے تھے۔کافی دیر تک جب مجھے یہ خیالات آتے رہے تو حضرت پر بھی یہ بات منکشف ہوگئی۔ چنانچہ جب حضرت نے مراقبہ ختم فرمایا تو فرمانے لگے:''بھئی! جب آیا کرو تو پھر مراقبے کا وقت تو لے کر آیا کرو۔''

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عشاء کے بعد مراقبہ ہوتا تھا اور اس کی اختتامی دعا بھی نہیں ہوتی تھی۔ وہ کیسے؟ وہ اس طرح کے حضرت عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھ جاتے اور لوگ سامنے مراقبہ کرنے لگ جاتے۔اب حضرت کی طرف سے اجازت تھی کہ جو تھک جائے وہ چلا جائے۔ایک جاتا، دوسرا جاتا، پھر تیسرا جاتا۔لوگ ایک ایک کر کے جاتے رہتے، حتیٰ کہ اس طرح سارے اٹھ کر چلے جاتے۔اس کے بعد جب حضرت سر اٹھاتے تو لوگ جا چکے ہوتے تھے۔ وہ تہجد کا وقت ہوتا تھا اور حضرت تہجد کی نیت باندھ لیتے تھے۔اس طرح رات گزر جاتی تھی۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

جب ذکر میں لذت ملے گی تو......:

اصل میں ہمیں ذکر کی لذت کا پتہ ہی نہیں ہے۔جب یہ لذت ہمیں مل جائے گی تو ہم

خود وقت ڈھونڈتے پھریں گے کہ ہمیں وقت مل جائے۔ آج جس کام میں لذت ملتی ہے لوگ اس کام کے لیے مواقع ڈھونڈتے ہیں یا نہیں ڈھونڈتے؟ جب ذکر میں لذت ملے گی تو پھر مواقع ڈھونڈیں گے اور پھر وقت بھی نکل آئے گا۔ وقت کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ بندے کے پاس وقت بہت ہوتا ہے۔

گھنٹوں کے حساب سے مراقبہ کرنا چاہیے:

ہمیں مراقبہ کثرت سے کرنا چاہیے۔ ہماری مثال اس مریض کی طرح ہے کہ جس کو ڈاکٹر نے کہا کہ دن میں تین دفعہ گولی کھاؤ اور وہ ہر تیسرے دن ایک گولی کھا رہا ہے۔ وہ تو ٹھیک نہیں ہوگا۔ ہم بھی ظاہر میں مراقبہ کرتے ہیں، مگر کتنا؟ دو منٹ اور تین منٹ۔ بھئی! یہ دو تین منٹ سے کچھ نہیں بنتا۔ ہاں! جب مشائخ مراقبہ کرواتے ہیں تو وہ اگر ایک منٹ بھی کروائیں تو وہ اپنی جگہ کافی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے توجہ دینی ہوتی ہے۔ لیکن سالک جب خود مراقبہ کرے تو وہ لمبا مراقبہ کرے، گھنٹوں کے حساب سے مراقبہ کرے۔

؎ رہوں بیٹھا میں اپنا سر جھکا کر
سرور ایسا عطا کر دل بدل دے

ایسی لذت مل جائے کہ بس سر جھکائیں اور اللہ کی یاد میں ڈوب جائیں۔

کیا مدارس کے طلبا کے لیے بیعت ہونا ضروری ہے؟

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ طلبا کو بیعت ہی نہیں کرتے۔ بالکل صحیح بات ہے۔ ہمارے پہلے بزرگ طلبا کو بیعت نہیں کرتے تھے، مگر وہ کون طلبا تھے؟ وہ

ایسے طلبا ہوتے تھے جو پوری لگن کے ساتھ علم میں مگن ہوا کرتے تھے۔لیکن آج کے طلبا علم میں مگن ہونے کے بجائے کئی اور خیالوں میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔اگر ان کو ذکر کی ڈوز نہیں ملے گی تو ان کو حدیث پاک سمجھ بھی نہیں آئے گی۔

بعض طلبا اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''حضرت! استاد حدیث پڑھا رہے تھے اور ہمارے دماغ میں شیطانی خیالات چل رہے تھے۔ حضرت! استاد ''جلالین شریف'' کا درس دے رہے تھے اور ہم بیٹھے ہوئے کسی گناہ کو یاد کر کے لذت پا رہے تھے۔ حضرت ہم کلاس میں بیٹھے ہوئے گناہ کرنے کی پلاننگ کر رہے تھے۔''

جب طلبا کی یہ ذہنی کیفیت بن جائے تو پھر ایسے طلبا کو اس لیے بیعت کرنا چاہیے، تاکہ وہ قرآن وحدیث کا علم حاصل کر سکیں۔

یہ چیز ہمیں تجربہ سے حاصل ہوئی ہے۔ الحمدللہ! مختلف مدارس میں جہاں جہاں ہمارے متعلقین موجود ہیں وہاں کے اساتذہ خود کہتے ہیں کہ یہ طلبا جب سے بیعت ہوئے ہیں اس وقت سے ان کا پڑھائی میں دل زیادہ لگتا ہے اور ان کی تعلیمی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی ہے۔اس لیے آج کے زمانے میں بیعت ہونے کے سبب بندے کو یکسوئی ملتی ہے اور جو لوگ بیعت نہیں ہوتے ان کی تو کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔انکی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

ؔ کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے

ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

اس لیے اگر بیعت نہیں ہوں گے تو ورق ورق پر ان کو کسی کا چہرہ نظر آئے گا۔یہی

وجہ ہے کہ آج کے زمانے میں بیعت ضروری ہے۔ آج کل طلبا کے وہ حالات نہیں رہے جو پہلے طلبا کے تھے۔ پہلے طلبا میں تو اولیاء کی صفات نظر آتی تھیں، جبکہ آج تو فرض نماز پڑھنی مشکل ہے۔ طلبا کے گھروں میں ٹی وی کا ماحول ہوتا ہے۔ وہ گھروں میں ٹی وی اور کیبل دیکھتے ہیں۔ وہ والدین کے کہنے پر پڑھنے چلے جاتے ہیں، لیکن ان کے اندر کی کیفیت ویسی ہی ہوتی ہے۔ میرے پاس دورۂ حدیث کا ایک طالب علم آیا۔ اس کے والد بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس کے والد کہنے لگے: ''حضرت! دعا کریں کہ یہ پانچ نمازیں پابندی سے پڑھنے والا بن جائے۔'' اب یہ حالت ہے کہ باپ اپنے اس بیٹے کو لے کر آیا جو دورۂ حدیث کا طالبِ علم ہے اور اس نے کہا: ''دعا کریں کہ یہ پابندی سے پانچ نمازیں پڑھنے والا بن جائے۔'' تو اب کیسے اعتراض کرتے ہیں کہ طلبا کو بیعت نہیں کرنا چاہیے؟

ہاں! اگر ان جیسے طلبا ہوں جیسے ہمارے اکابر تھے تو ان کو یقینا بیعت نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ اس سے افضل کام میں لگے ہوئے ہیں، لیکن اگر یہ حالت ہو کہ فرض نمازیں بھی نہیں ہو رہیں تو پھر ان کے لیے بیعت لازم ہوگئی ہے۔

یاد رکھنا! آج کے زمانے میں بیعت ہونا ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' کا مصداق ہے۔ جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا۔ آج کے دور میں اتنے فتنے ہیں کہ کچھ نہ پوچھیں۔ طلبا پڑھتے تو ان مدارس میں ہیں، لیکن فراغت ہو جانے کے بعد پھر عقیدہ کسی اور کا سنبھالے پھرتے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اکابر کے طریق سے ہٹ جاتے ہیں۔ کوئی منکرینِ حدیث کے پاس پہنچ جاتا ہے، کوئی اہلِ بدعت کے پاس پہنچ جاتا ہے، کوئی کسی

اور کے پاس پہنچ جاتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ایسے طلبا کو ذکر واذکار پر بھی لگا دیا جائے، تاکہ شیطانی وساوس سے ان کی جان چھوٹے اور ان کا دل قرآن و حدیث پڑھنے میں زیادہ لگے۔

دینی مدارس کے طلبا کتنا مراقبہ کریں؟

مدارس کے طلبا اکثر پوچھتے ہیں کہ ہم تعلیمی کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور ہمارے پاس تو فرصت ہی نہیں ہوتی۔ان کو علیحدہ مراقبے میں بیٹھنے کے لیے کوئی نہیں کہتا، البتہ ہم اتنی بات ضرور کہتے ہیں کہ وہ نماز کے وقت سے پانچ دس منٹ پہلے آنے کی کوشش کریں۔بھئی! جب اذان ہوتی ہے تو اس وقت نمازی مسجد میں آنا شروع کر دیتے ہیں، اب یہ بندے کی اپنی مرضی ہے کہ وہ باہر کھڑا ہو کر گپیں لگاتا رہے اور اس وقت مسجد میں آئے جب ایک رکعت ہو چکی ہو، یا وہ اذان سنتے ہی مسجد میں آجائے۔تو طلبا کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کوشش کریں، کہ اذان ہوتے ہی وضو کر کے مسجد میں پہنچ جائیں، سنتیں ادا کریں اور سنتیں ادا کرنے کے بعد وہ فرض نماز کے انتظار میں پانچ دس منٹ مراقبہ کرلیں۔وہی ان کے لیے کافی ہے۔

طلبا کے لیے دو باتیں کی جاتی ہیں:

……ایک تو یہ کہ وہ عادت بنائیں کہ جب اذان ہو تو فوراً وضو کر کے مسجد میں پہنچیں اور سوچیں کہ اللہ کا منادی بلا رہا ہے۔اور اگر کبھی اذان باوضو ہو کر مسجد میں سنیں تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔بس اتنی عادت بنالیں۔اور اتنا وقت تو ہوتا ہی ہے اذان سے نماز تک کا۔سنتیں بھی ادا کریں اور نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی سنت جو آج ترک ہوتی جا

رہی ہے، اس کو بھی زندہ کریں۔ آج تو طلبا مسجد کے باہر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی جماعت کھڑی ہونے میں آدھا منٹ باقی ہے۔ حالانکہ وہ کھڑے گپیں لگا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی آدھا منٹ باقی ہے۔ بہر حال! اذان کے بعد مسجد میں آئیں، سنتیں ادا کریں اور سنتوں اور فرضوں کے درمیان جو انتظارِ نماز کا وقت ہے، جو نماز ہی کی کیفیت ہے، اس میں بیٹھ کر مراقبہ کر لیں۔ جو طالب علم دن میں پانچ مرتبہ اتنا مراقبہ بھی کرتا رہے گا، یہ عاجز یقین سے کہتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کو بھی قلب کے حالات عطا فرما دیں گے۔ ہم نے اس بات کا باقاعدہ تجربہ کیا ہے، ایسے طلبا کو ہم نے خود دیکھا ہے۔

...... دوسرا یہ کام کریں کہ جب پڑھنے بیٹھیں تو پڑھنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے رجوع الی اللہ کریں۔ کتاب کھولنے سے پہلے یا پیریڈ میں بیٹھنے سے پہلے اللہ کی طرف تھوڑی دیر کے لیے رجوع کر کے کتاب کو پڑھنا شروع کر دیں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا: ''چونکہ شروع میں وہ طالبِ علم توجہ الی اللہ والی کیفیت پیدا کر لے گا، اس لیے وہ جتنی دیر بیٹھے گا اسے علم حاصل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور اس کو ذکر کا فیض بھی ملتا رہے گا۔'' گویا کتاب کا پڑھنا اس کے لیے باطنی ترقی کا ذریعہ بن جائے گا۔

ہم کب کہتے ہیں کہ آپ علم نہ پڑھیں؟ وہ جاہل ہوتے ہیں جو کہتے ہیں: ''علموں بس کریں او یار!'' یہ بات نہیں ہے، بلکہ علم تو انسان کے لیے ذکر کے راستے پر چلنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں اور میرا ساتھی ہم دونوں اس راستے پر چلے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے ساتھی سے بہت پہلے منزل تک پہنچا دیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم عطا فرما دیا تھا۔'' اس سے پتہ چلا کہ جس کے پاس

علم ہو وہ اس راستے پر زیادہ تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔

طلبا ان دو باتوں کا خیال رکھیں۔ پھر دیکھیں کہ تہجد میں خود بخود آنکھ کھلتی ہے یا نہیں کھلتی؟ اگر ذکر نہیں ہوگا تو پھر فرض نمازوں کے لیے مہتمم صاحب کو بھی جگانا پڑے گا۔ اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ ایک مہتمم صاحب کہنے لگے کہ طلبا کو جگا کر ہم خود بھی بے وضو جا کر نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔......استغفر اللہ!

ایک مولانا صاحب نے کسی کو زبردستی مسجد میں بلا لیا اور کہا کہ چل بھئی! پڑھ نماز۔ اس نے بھی نیت باندھتے ہوئے کہا: ''نیت کرتا ہوں نماز کی۔ واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ بندگی اللہ تعالیٰ کی۔ ظلم مولوی صاحب کا۔'' ......اللہ اکبر!

جب زبردستی ہی نماز کے لیے جگانا ہے تو پھر وہ اس کو بوجھ محسوس ہوگا۔ چنانچہ جب ذکر کریں گے تو اس ذکر کی برکت سے خود بخود اللہ تعالیٰ جگائیں گے۔ اس لیے کہ یہ نیند جو ہے یہ غفلت کی ایک کامل قسم ہے۔ جب غفلت کم ہوتی ہے تو پھر سالک کی نیند خود بخود کم ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو بیدار فرما دیتے ہیں۔ پھر اس کے لیے تہجد میں اٹھنا آسان ہو جاتا ہے اور نمازوں میں پہنچنے کو خود بخود دل کرتا ہے۔

ذکر و اذکار علم کے لیے معاون ہیں۔ لہٰذا مدارس والے حضرات کو چاہیے کہ طلبا کو ترغیب دیں کہ کہیں نہ کہیں، جہاں ان کی طبعی مناسبت ہو، اس بزرگ کے ساتھ نتھی کریں۔ جب وہ نتھی ہو جائیں گے تو پھر ان کا ایمان محفوظ ہو جائے گا۔ ورنہ کیا پتہ کل کو کس کے پیچھے چل پڑیں؟ طلبا تو طلبا ہوتے ہیں۔ اس لیے جہاں ان کا دل چاہے وہاں ان کو نتھی کروا دیا جائے۔ اس سے ان کو فائدہ ہوتا ہے۔

کالج اور یونیورسٹی کے طلبا کتنا مراقبہ کریں؟

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا کہ دینی مدارس کے طلبا کے لیے تو یہ طریقہ ہے۔کیا کالج اور یونیورسٹی کے طلبا کے لیے بھی یہی طریقہ ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کے طلبا کو تو مستقل ذکر میں بٹھانا پڑتا ہے۔اس لیے کہ وہ زیادہ خباثت کے ماحول میں رہتے ہیں۔ دینی مدارس کے طلبا تو خوش نصیب ہیں۔ وہ جب بھی کتاب کھولیں گے تو سامنے قرآن ہوگا یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہوگا۔جتنی دیر سنیں گے انہیں قرآن اور حدیث کا نور ملے گا۔اس لیے ان کے حالات بہت بہتر ہوتے ہیں۔لیکن کالج اور یونیورسٹی......توبہ توبہ توبہ......اس علم میں ایسا الحاد بھرا ہوتا ہے کہ نہ پوچھیں۔اس لیے وہ بچارے تو بڑے قابلِ رحم ہیں۔ آپ یوں سمجھیں! یہ دینی مدارس والے جنرل وارڈ کے طلبا ہیں اور کالج، یونیورسٹی کے طلبا Extensive Care Unit (انتہائی نگہداشت وارڈ) والے طلبا ہیں۔ECU میں جو ہارٹ کے مریض ہوتے ہیں ان پر زیادہ توجہ دینی پڑتی ہے۔ ان کے لیے یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ اگر چند منٹ بھی مراقبہ کریں گے تو کافی ہو جائے گا۔نہیں! بلکہ ان کو مستقل مراقبوں میں بیٹھنا پڑے گا۔اگر مستقل مراقبوں سے بھی ان کے دل کی ظلمت دور ہو جائے تو اس کو اللہ کی رحمت سمجھیں۔

دل کی بیٹری چارج کرتے رہیں:

یہ ذکر واذکار کرنا اسی طرح ضروری ہے جیسے ہم روزانہ کھانا کھاتے ہیں۔اگر کھانا نہ کھائیں تو جسم کمزور ہو جاتا ہے،۔ایسے ہی اگر ہم روزانہ ذکر اور مراقبہ نہیں کریں گے تو ہماری روحانیت کمزور ہو جائے گی۔ دیکھیں! سیل فون نے یہ بات سمجھنا آسان کر دی

ہے۔ جب لوگ سیل فون سے بات کرتے رہتے ہیں تو اس کی بیٹری ڈاؤن ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اب اسے چارجر سے لگانا پڑتا ہے۔ اگر چارجر سے نہیں لگائیں گے تو بیٹری ڈاؤن ہو جائے گی اور بات کٹ جائے گی۔ اسی طرح ہم جو سارا دن لوگوں سے ملتے ملاتے رہتے ہیں تو یوں سمجھیں کہ اس وقت دل کا سیل فون استعمال ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کچھ وقت ایسا بھی ہونا چاہیے کہ دل کے سیل فون کو چارجر کے ساتھ لگائیں۔ جی ہاں! مراقبے سے دل کی بیٹری چارج ہو جاتی ہے۔ پھر انسان انہی کیفیات میں اپنی زندگی گزارنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح صبح و شام کے معمولات کو بھی اپنے اوپر لازم کر لیجیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنی قلبی کیفیات پر نظر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی بات فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ .''

''جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز منور ہوگئی۔''

اور آگے فرمایا:

''فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ''

''اور جس دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک نظر آنے لگی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو یہاں تک کہتے ہیں: ''ہم نے ابھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دفن کی مٹی سے ہاتھ نہیں جھاڑے تھے کہ ہمیں اپنے دل میں تبدیلی محسوس ہونے لگی۔''

(مسند البزار، رقم: ۶۸۷۱، ابنِ ماجہ، رقم: ۱۶۳۱)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں جو کیفیت تھی وہ تو بعد میں نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھر جاتے تھے اور اس کیفیت میں فرق محسوس کرتے تھے تو ''نَافَقَ

حَنْظَلَةُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ." (ترمذی: ۲۵۱۴) کہتے ہوئے گھروں سے باہر آ جاتے تھے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی قلبی کیفیات پر نظر رکھا کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں بھی نظر رکھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دل کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾
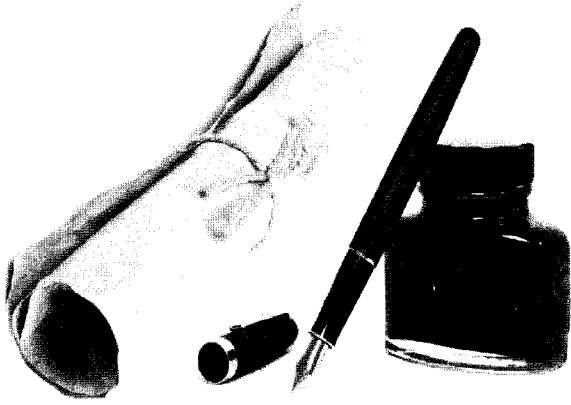
ذکرِ قلبی کے تین بڑے فوائد

ذکرِ قلبی کے تین بڑے فائدے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا o وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا﴾ (الاحزاب: ۴۲،۴۱)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ذکرِ کثیر کا حکم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا﴾ (الاحزاب: ۴۱)

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔''

اس آیتِ مبارکہ میں ہمیں یادِ الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ شرط لگائی گئی کہ کثرت کے ساتھ کریں۔

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی تاثیر میں مقدار کو دخل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر: جس آدمی کو بخار ہو اس کو ڈاکٹر لوگ بتاتے ہیں کہ صبح، دوپہر، شام ایک ایک گولی کھائیں، بخار اتر جائے گا۔ اب ایک آدمی تیسرے دن بعد گولی کھائے، پھر تیسرے دن بعد ایک گولی کھائے۔ اگرچہ وہ دوائی بھی صحیح استعمال کر رہا ہے۔ گولی بھی بخار کے دور ہونے والی استعمال کر رہا ہے، لیکن اس کا بخار نہیں اترے گا۔ ڈاکٹر کہے گا: ''آپ نے دوائی تو صحیح استعمال کی۔ مگر آپ کو صبح، دوپہر، شام، ایک دن میں تین گولیاں کھانی تھیں۔ آپ نے تو تین دن بعد ایک گولی کھائی، فائدہ کیسے ہوتا؟ بالکل اسی طرح ذکر کا معاملہ ہے۔ اگر اس ذکر کو انسان کرے اور تھوڑا کرے تو فائدہ نہیں ہوتا۔ ثواب مل جاتا ہے، لیکن جو انسان اپنے باطن کے امراض کو دور کرنے کے لیے ذکر کرتا ہے، اس کے وہ امراض دور نہیں ہوتے۔ امراض کو دور کرنے کے لیے کثرت کے ساتھ ذکر کرنا ضروری ہے اور کثرت کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے کہ انسان زیادہ وقت ذکر کرے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ﴾ (النور: ۳۷)

''میرے وہ بندے جنہیں تجارت اور خرید و فروخت بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے دنیا کے کام کاج کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں۔ انسان کی زبان بات چیت میں لگی ہو، ہاتھ کام کاج میں لگے ہوں اور انسان کا

دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگا ہو۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

''(میرے وہ بندے) جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے (ہر حال میں) مجھے یاد کرتے ہیں۔''

ذکرِ قلبی کے فوائد:

ذکرِ قلبی وہ ذکر ہے جو ہر حال میں انسان کر سکتا ہے۔ کھڑا ہو، بیٹھا ہو، لیٹا ہو، کھا رہا ہو، پی رہا ہو، چل رہا ہو اور جس حال میں بھی ہو، انسان ذکرِ قلبی کرتا رہتا ہے۔ تو ایسا ذکر جو ہر وقت انسان کرے اس کو ''ذکرِ کثیر'' کہتے ہیں۔ اور اس کی بہت تاثیر ہے۔ اس کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ ذکر کے فوائد میں سے تین بڑے فوائد ہیں۔

(۱) قوتِ ارادی میں اضافہ

انسان کے اندر قوتِ ارادی بڑھتی ہے۔ یہ ایک طاقت ہے جسے ''قوتِ ارادی'' کہتے ہیں۔ اس قوتِ ارادی کے ذریعے انسان اپنے زندگی کے ہر کام کو کر گزرتا ہے۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے، دین میں گزرے یا دنیا میں گزرے، یہ سب وہی لوگ تھے جن کے اندر قوتِ ارادی بہت زیادہ تھی۔ بس ایک بات کا دل میں ارادہ کر لیا، پھر اس بات کو کر گزرے۔ آج ہمارے نوجوانوں میں قوتِ ارادی کی کمی ہے۔ ڈھل مل یقین بنے پھرتے ہیں۔

ے ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے

سوچتے ہی وقت گزر جاتا ہے۔ ہمارے بوڑھے بزرگ کہا کرتے تھے: ''سوچی پیا تے بندہ گیا۔'' تو آج وہی حال ہے کہ نوجوان سوچتے رہتے ہیں کہ میں نے امتحان میں کامیابی حاصل کرنی ہے، میں نے پڑھنا ہے، انہی باتوں میں ان کا سال گزر جاتا ہے۔ جس کام کے لیے ماں باپ نے ان کو فارغ کیا ہوتا ہے، وہ کام درمیان میں ہی رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو ہر کام میں دلچسپی محسوس ہوتی ہے۔

اپنے آپ کو مصروف رکھیے!

اگر طالب علم سے پوچھا جائے کہ کیا حال ہے؟ تو کہتے ہیں: ''جی! پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔'' اب بتایئے! جو اس کا اس وقت مقصدِ زندگی بنا ہوا ہے، اس کام میں اس کا دل نہیں لگتا۔ پھر وہ کیسے کام کر سکے گا؟

جو لوگ نوکری کرنا شروع کرتے ہیں ان کا کام کرنے میں دل نہیں لگتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ مجھے بڑی اچھی نوکری مل گئی ہے۔ دوست پوچھتا ہے: ''وہ کیسے؟'' وہ کہتا ہے: ''میری اتنی بیسک پے ہے۔ اتنے الاؤنس ہیں۔ اتنا ہاؤس رینٹ ہے۔ اتنا میڈیکل الاؤنس ہے۔ اتنی گریجویٹی ہے۔ اتنے بونس ہی۔ اتنی چھٹیاں ہیں اور آخر میں کہتا ہے: ''کوئی کام نہیں ہے۔'' یعنی آج ہماری زندگی میں اچھی جاب وہ ہے کہ جس میں نوجوان کو کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ جس قوم کے نوجوانوں کا یہ عالم ہو پھر وہ قوم کیسے آگے بڑھ سکے گی؟ نوجوانوں کو تو یہ چاہیے کہ بدن کو کام کر کے تھکائیں۔ اپنی جوانی کو نیک کاموں میں کھپائیں۔ تھکنے میں خوش ہوں نہ کہ

فارغ رہنے میں خوش ہوں۔ فارغ رہنا تو زندگی کو ضائع کرنا ہے۔ جو دنیا میں کچھ کر گزرنے والے لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں، کام کرتے رہتے ہیں۔ آپ ان کی زندگیوں کو قریب سے دیکھیں تو ان کی زندگی میں کام، کام، کام اور بس تھوڑا سا آرام ہوتا ہے۔ وہ آرام بھی اس لیے کرتے ہیں کہ تازہ دم ہو کر وہ پھر کام کر سکیں۔ یہ بات یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو کام کے لیے بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قبر کو آرام کے لیے بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو عیش کے لیے بنایا ہے۔

جو نوجوان چاہیں کہ میں یہیں عیش کرلوں، وہ اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ تو اپنے اندر قوتِ ارادی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے کئی کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جس کام کو ہاتھ لگائیں پورا نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ قوتِ ارادی کی کمی ہے۔ یہ قوتِ ارادی انسان کو ذکر کے ذریعے ملتی ہے۔ جس بندے میں یہ قوتِ ارادی ہوئی، اس بندے نے اپنے مقصد میں کامیابی پالی۔

مشاہیر عالم اور قوتِ ارادی:

آپ مشاہیر کے حالاتِ زندگی پڑھ لیجیے! آپ کو یہ چیز عام ملے گی۔ دین کے میدان میں جو لوگ آگے بڑھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن میں قوتِ ارادی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ گناہوں سے بچنے کے لیے قوتِ ارادی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ آج ارادہ کرتے ہیں کہ یہ گناہ نہیں کریں گے۔ ایک دن نہیں گزرتا پھر وہی گناہ کر گزرتے ہیں۔ ذرا سا شیطان نے آ کر ذہن میں خیال ڈالا اور ان کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ قوتِ ارادی کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ حتیٰ کہ کئی مرتبہ جوش و جذبہ میں آ کر قسمیں کھانے لگتے ہیں کہ ہم یہ گناہ نہیں کریں گے اور پھر اپنی قسم کو توڑ دیتے ہیں۔ اپنے

غصے پر کنٹرول نہیں کر پاتے قوتِ ارادی کے کمزور ہونے کی وجہ سے۔ اس لیے کئی نوجوان آکر کہتے ہیں: ''حضرت! غصہ بہت آتا ہے۔''

کمزور بندے کو غصہ بہت آتا ہے:

ایک اصول یاد رکھیں! غصہ ہمیشہ کمزور بندے کو آتا ہے۔ مثال کے طور پر: جوان کے بجائے بوڑھے کو زیادہ غصہ آتا ہے۔ صحت مند کے بجائے بیمار کو غصہ زیادہ آتا ہے۔ مرد کے بجائے عورت کو غصہ زیادہ آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ غصہ کمزور ہونے کی علامت ہے۔ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور غصے میں آکر رشتے ناطے توڑ دیتے ہیں۔ تیس تیس سال گزر جاتے ہیں اور معمولی سی بات پر آکر ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

اب بتائیں! بیوی کو خاوند مل جائے گا اور خاوند کو بیوی مل جائے گی۔ مگر بچوں کو ماں باپ کہاں سے ملیں گے؟ عقل استعمال نہیں کرتے۔ ان بچوں کا کیا قصور ہے جو ابھی معصوم ہیں، چھوٹے ہیں، ان کی سرپرستی کون کرے گا؟

معمولی سی بات پر طلاق:

مجھے ایک ملک میں جانے کا موقع ملا۔ وہاں میاں بیوی دونوں پی ایچ ڈی ڈاکٹر تھے۔ دنیا کے اعتبار سے بڑے پڑھے لکھے تھے۔ ان میں چند دن پہلے طلاق ہو گئی تھی۔ لوگوں نے عجیب واقعہ سنایا کہ طلاق کیسے ہوئی!

ایک دن میاں صاحب کو صبح اٹھنے میں دیر ہو گئی۔ اس وقت بیت الخلاء میں کوئی موجود تھا اور اس نے کنڈی لگائی ہوئی تھی۔ میاں صاحب کو دفتر سے دیر ہو رہی تھی۔ وہ اٹھے اور کچن میں آگئے۔ کچن میں جو ٹوٹی لگی ہوتی ہے، واش بیسن ہوتا ہے، اس کے اندر انہوں

نے ٹوتھ برش کرلیا اور ٹوتھ برش کر کے جلدی سے فارغ ہو کر دفتر چلے گئے۔ بیوی صاحبہ بیت الخلاء سے باہر آئی اور اس نے کچن میں دیکھا تو پتا چلا کہ کچن کے واش بیسن میں اس کے میاں نے ٹوتھ برش کرلیا ہے۔ بیوی صاحبہ کو بڑا غصہ آیا۔ چنانچہ شام کو جب میاں گھر آئے تو بیوی نے ان سے جھگڑا شروع کر دیا۔ آپ کو اتنی بھی تمیز نہیں ہے، کچن کے سنک میں ہم برتن دھوتے ہیں، وہاں پر آپ نے ٹوتھ برش کیوں کیا؟ اس نے بتایا: ''مجھے جلدی تھی، مجھے دیر ہو رہی تھی، مجبوری تھی اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔'' اب یہ بات دونوں میں بڑھتی گئی۔ اِدھر بھی دلیل اور اُدھر بھی دلیل۔ دونوں پی ایچ ڈی تھے۔ اب آپس میں بات اتنی بڑھی کہ اس بات پر دونوں کے درمیان طلاق ہوگئی۔ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو میں نے کہا: ''واقعی! معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پی ایچ ڈی تھے۔'' تو سننے والے وہ دوست بڑے حیران ہوئے، کہنے لگے: ''آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ دونوں پی ایچ ڈی تھے؟'' میں نے کہا: ''پی ایچ ڈی سے مراد ''پھرا ہوا دماغ''۔ دونوں پی ایچ ڈی تھے۔

اب انہیں گولی مارا کریں:

دنیا داروں کی بات نہیں دین داروں میں بھی دیکھ لیں۔ استاد شاگرد کو قرآن مجید پڑھاتا ہے۔ بچے سے غلطی ہو جائے ایسے پٹائی کرتا ہے جیسے قصائی کسی سے بدلہ لے رہا ہو۔ شریعت میں یہ کہاں جائز ہے؟

ہم نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ ہم اپنے بچوں کو مارنے نہیں دیں گے۔ کئی دن محنت کی۔ پتا چلا کہ ڈنڈے ہوتے ہیں۔ ہم نے ڈنڈے اٹھوا لیے۔ پھر پتا چلا کہ مارنے کے لیے پائپ ہوتا ہے۔ وہ بھی اٹھوا لیا پھر پتا چلا کہ موٹی مسواک ہوتی ہے۔ ہم نے وہ بھی اٹھوا لی۔ ایک دن ہم نے قاری صاحب کو بلایا اور سمجھایا کہ بچوں کو سمجھا کر ساتھ چلایا

کریں، مارنا تو ان کا علاج نہیں ہے۔ وہ آگے سے کہنے لگے: ''جی! کیا کریں؟ پہلے تو ڈنڈے مارنے سے سمجھ جاتے تھے۔ اب اتنے ڈھیٹ ہوگئے ہیں کہ پائپ لگانے سے بھی ٹھیک نہیں ہوتے ہیں۔ اب کیا کریں؟'' میں نے کہا: ''اب انہیں گولی مارا کریں۔'' اب یہی علاج ہے کہ قرآن مجید میں غلطی آجائے تو اس کو گولی ماردو۔ او اللہ کے بندے! جو استاد سن رہا ہوتا ہے، اگر اسی استاد سے کہیں کہ آپ یہی سپارہ سنائیں تو پانچ غلطیاں ضرور نکل آئیں گی۔ غلطی پر مارنا، یہ کہاں کی بات ہے؟ بدتمیزی پر ماریں یا اس نے کوئی ایسا کام کیا جو دوسروں کے لیے نقصان دہ ہے تو پھر تنبیہ کریں۔ فقط بھول جانے کی غلطی پر مارنا اور اتنا مارنا...... یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کئی مرتبہ تو بچے دہشت کی وجہ سے بھول جاتے ہیں۔ قاری بننا جائز ہے اور قہاری بننا جائز نہیں۔

آدمی ہاتھ کب اٹھاتا ہے؟

ایک بات یاد رکھنا! آدمی کب مارتا ہے؟ جب آدمی تسلیم کرلیتا ہے کہ میں اس بچے کو زبان سے سمجھانے سے قاصر ہوں۔ جب وہ اپنی شکست تسلیم کرلیتا ہے کہ میرے اندر صلاحیت نہیں، میرے اندر اتنی خوبی نہیں کہ میں بچے کو زبانی سمجھا سکوں تب وہ ہاتھ اٹھاتا ہے۔ مارنا کوئی اچھائی کی علامت نہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اندازِ تربیت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال رہے اور دس سالوں میں وہ فرماتے ہیں: ''میرے محبوب نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ کبھی برا بھلا کہا۔''

(بخاری، رقم: ۶۰۳۸، ترمذی، رقم: ۲۰۱۵)

یہ پیار محبت سے لے کر چلنے والی بات ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کو پڑھیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیار کے ساتھ کس طرح متوجہ کیا اوران کی اصلاح فرمائی؟

ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔کلمہ پڑھا اور صحابی بن گئے۔ جب یہ محفل ختم ہوئی تو ان کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی۔مسجد نبوی کی دیوار سے ذرا باہر مسجد نبوی کا ہی علاقہ تھا یعنی پلاٹ تھا۔وہ دیہاتی وہاں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگ گئے۔جیسے دیہاتی لوگ آتے ہیں تو گلیوں میں پیشاب کرنے لگ جاتے ہیں۔اب جب لوگوں نے دیکھا تو کسی نے ان کو روکنا چاہا، کسی نے ان کو ڈانٹنا چاہا۔جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے کچھ نہ کہو!'' جب وہ فارغ ہو گئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پیار سے سمجھایا اور فرمایا: ''دیکھو! مسجد اللہ کا گھر ہے۔اللہ رب العزت بڑی عظمت والے ہیں۔ہمیں بھی اس کے گھر کو پاک رکھنا چاہیے۔'' ایسے پیار سے بات سمجھائی کہ دل میں اتر گئی۔ وہ اندر ہی اندر بڑے شرمندہ ہوئے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کر لی۔جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ اندر اندر بڑے شرمندہ ہیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو جدا کرتے ہوئے اپنے کپڑے مبارک ہدیہ میں پیش فرما دیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اسے ہدیہ ملا تو وہ بڑا خوش ہوا۔جب وہ جانے لگے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ ان کے پاس تو سواری نہیں ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنی سواری ہدیہ دے دی۔ جب ان کو سواری بھی ہدیہ میں مل گئی تو یہ ان کی توقعات سے بھی بڑھ کر معاملہ تھا۔وہ بڑے خوش ہوئے، کپڑے پہنے، سواری پر سوار ہوئے اور واپس اپنی بستی میں آ گئے۔حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ اس نے بستی کے باہر سے کہنا شروع کر دیا: ''اے میرے چچا! اے میرے ماموں! اے میرے خالو! اے میرے فلاں!'' بستی کے لوگ نکل آئے۔

انہوں نے کہا: ''پہلے تو تم نے کبھی یوں آوازیں نہیں دیں، کیا ہوا؟'' وہ صحابی کہنے لگے: ''میں نے ایک ایسے معلم کو دیکھا ہے جو اتنے پیار سے سمجھاتا ہے کہ ایسا پیار تو کوئی نہیں دیتا اور میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے، آپ لوگ بھی ذرا چل کر ملاقات کر کے دیکھیں۔'' ان کی بات سن کر تین سو آدمی مدینہ طیبہ آئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گئے۔

مدینہ میں ایک نوجوان تھے۔ ان کو جب کوئی کھجور اچھی لگتی یا بھوک لگتی تو وہ کھجور پر چڑھ کر کھجوریں توڑتے، کھا لیتے...... مدینہ طیبہ کے اندر عام دستور یہ تھا کہ جو کھجوریں نیچے گری پڑی ہوں انہیں جو چاہے اٹھا کر کھا لے۔ لیکن اگر کھجور اوپر لگی ہو تو مالک کی اجازت کے بغیر نہیں توڑ سکتے تھے...... یہ نوجوان ایک مرتبہ کھجوریں توڑ رہا تھا۔ مالک نے دیکھ کر اسے پکڑ لیا۔ پکڑ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ صحابی کہتے ہیں: ''میں اتنا گھبرایا اتنا گھبرایا کہ پتا نہیں میرے ہاتھ کاٹیں گے یا کچھ اور کریں گے؟ میں تو چوری کرتا ہوا پکڑا گیا۔'' جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور بلا کر میرے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ مجھے نہ ہی ڈانٹا اور نہ ہی لوگوں کے سامنے رسوا کیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے پوچھا: ''تم لوگوں کی کھجوریں توڑ کر کیوں کھاتے ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''مجھے بھوک لگی ہوتی ہے۔ جو کھجوریں پسند ہوتی ہیں توڑ کر کھا لیتا ہوں۔'' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سمجھایا کہ جو کھجوریں نیچے گری ہوتی ہیں وہ اٹھا کر کھا لیا کرو۔ جو درخت پر ہوتی ہیں وہ مالک کا حق ہوتا ہے، ان کو بغیر اجازت نہیں کھانا ہوتا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی تو میں نے دل میں ارادہ کر لیا، کہ آئندہ بغیر اجازت کسی کی کھجوریں نہیں کھاؤں گا۔'' حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بچے کے لیے دعا کی ''اے اللہ! اس بچے کی

بھوک مٹا دے۔'' (مسندِ ابی یعلی، رقم: ۱۴۸۲، ابنِ ماجہ، رقم: ۲۲۹۹)

وہ نوجوان کہتے ہیں: ''محبوب ﷺ کے اس عمل سے میرے دل میں ہمیشہ کے لیے ایک عہد پیدا ہوگیا کہ میں نے کبھی کسی کے مال کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ محبوب ﷺ نے دعا دے کر مجھے فرمایا: ''تم جاؤ! اور اس کے بعد میں نے کسی کے مال کو ہاتھ تک نہ لگایا۔'' یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار تھا۔ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ دور سے ہی اسے گالیاں بکنا شروع کر دیتے۔ ''اوئے! تو ایسا تو ایسا۔'' نبوی طریقہ کار یہی ہے کہ پیار محبت سے بندے کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔ ہمیشہ اسی میں فائدہ ہے۔

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فتحِ مکہ کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو وہاں کی عورتوں کو یہ یقین تھا کہ آج کی رات مکہ مکرمہ شہر میں کوئی لڑکی کنواری نہیں بچے گی۔ ہم نے مسلمانوں کو اتنا دکھ دیا، اتنا پریشان کیا، اتنی تکلیفیں دی ہیں۔ آج وہ ہم سے بدلہ لیں گے۔ نہ ہمارا مال بچے گا اور نہ ہماری عزت بچے گی۔ لیکن رات گزرنے کے قریب آگئی اور مکہ کے کسی گھر میں کوئی بندہ داخل ہی نہیں ہوا۔ عورتیں پریشان ہیں۔ انہوں نے اپنے مردوں سے کہا: ''یہ معاملہ کیا ہے؟ جا کر دیکھو! یہ کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ کیا ترکیب بنا رہے ہیں؟'' ان کے مرد باہر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ پورے شہر میں خاموشی ہے۔ یہ لوگ حیران کہ یہ مسلمان گئے کہاں؟ جب اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ سب کے سب صحابہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ کے گھر حرم شریف میں ہیں۔ کوئی عبادت کر رہا ہے۔ کوئی تلاوت کر رہا ہے۔ کوئی طواف کر رہا ہے۔ کوئی ملتزم سے لپٹا ہے۔ کوئی مقامِ ابراہیم پر سجدہ کر رہا ہے۔ سب کے سب مسلمان اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہیں۔ لوگ بڑے متاثر

ہوئے۔ جب اگلا دن ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ یہ وہ بندہ تھا جس کے پاس بیت اللہ کی کنجی تھی۔ اس کو بلا کر کہا: ''عثمان! تجھے یاد ہے؟ جب میں ہجرت کے لیے یہاں سے روانہ ہوا تھا تو میرا جی چاہتا تھا کہ میں بیت اللہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر اللہ کی عبادت کروں، پھر ہجرت کروں۔ میں نے تجھ سے کہا تھا: ''تھوڑی دیر کے لیے بیت اللہ کا دروازہ کھول دے۔'' عثمان! تو نے دروزہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے تجھے اس وقت یہ کہا تھا: ''ایک وقت ایسا بھی آئے گا جہاں میں کھڑا ہوں وہاں تو کھڑا ہوگا اور جہاں تم کھڑے ہوگے وہاں میں کھڑا ہوں گا۔ میری یہ بات سن کر تم غصے میں آ گئے تھے اور آگے سے باتیں کرنا شروع کر دی تھیں اور اس وقت میں خاموش ہو گیا تھا۔'' عثمان! آج دیکھو! چابی تمہارے ہاتھ میں ہے، اسے میرے حوالے کر دو۔ تو عثمان نے چابی مجبوراً نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے کر دی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چابی لی۔ بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا۔ اندر تشریف لے گئے اور اللہ کی عبادت کی، نماز پڑھی۔

اب اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے، وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہو گئے۔ سب کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائیں گے تو اس کو تالا لگائیں گے اور چابی اپنوں میں سے کسی کے حوالے کریں گے۔ کافر کے حوالے نہیں کر سکتے ...... اور دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جب کسی کو حکومت ملتی ہے تو سب سے پہلے اپنوں کو نوازتا ہے...... جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے تو آپ نے تالا لگایا اور پھر عثمان کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا: ''عثمان! اس وقت کو یاد کرو جب میں تمہیں یہ دروازہ کھولنے کو کہہ رہا تھا اور تم نے دروازہ کھولنے اور چابی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ عثمان! آج چابی میرے ہاتھ میں ہے۔ جو میں نے بات کی تھی کہ جہاں تم کھڑے ہوگے وہاں میں کھڑا ہوں گا۔

جہاں میں کھڑا ہوں وہاں تم کھڑے ہو گے۔ آج اللہ نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا۔ لیکن عثمان! میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، میں یہ چابی پھر تمہیں لوٹا تا ہوں۔ قیامت تک یہ چابی تمہاری نسلوں کے اندر چلتی رہے گی۔'' محبوب کے اس حسنِ عمل کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

(الدر المنثور: سورۃ النساء)

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟

یہ چیز انسانوں کو قوتِ ارادی سے حاصل ہوتی ہے۔

(۲) اپنی توجہ کو مرکوز کرنا

ایک اور چیز جو انسان کو ذکر کرنے سے ملتی ہے اور اس کو کہتے ہیں: ''اپنی توجہ کو کسی ایک چیز پر مرکوز کر دینا۔''

جب انسان ذکر کرتا ہے تو تمام خیالات کو ذہن سے نکال دیتا ہے اور اللہ رب العزت کے ذکر پر اپنے آپ کو مرکوز کر لیتا ہے، تو اسے ایک نعمت ملتی ہے جس کو کہتے ہیں ''اپنی توجہ کو ایک جگہ پر مرکوز کرنے کی صلاحیت''۔ یہ بھی انسان کو ذکر کے ذریعے ملتی ہے۔ اور آج اس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم بہت نقصان پا رہے ہیں۔ ہمارے

نوجوان بچوں میں اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کی قوت نہیں ہے۔ اس لیے پڑھائی کرنے بیٹھتے ہیں تو توجہ پڑھائی کی طرف نہیں ہوتی۔

؎ کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

یہ بے چارے کتاب کھول کر بیٹھتے ہیں اور ان کو الفاظ کے بجائے کسی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ کنسنٹریشن پاور نہیں ہے۔ نوجوانوں کو اپنی تعلیم میں رکاوٹ اسی وجہ سے ہوتی ہے۔

نماز میں یکسوئی نہ ہونے کی وجہ:

اگر ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو نماز میں ہمارے خیالات ادھر ادھر بھٹکتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر کنسنٹریشن پاور نہیں ہے۔ ہم اپنے خیالات کو یکسو نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے خیالات کو ایک جگہ مرکوز نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہماری توجہ نماز کی طرف نہیں ہوتی۔ ساری توجہ دنیا جہان کے کاموں کی طرف ہوتی ہے اور یہ قربِ قیامت کی علامت میں سے ہے۔ ایک روایت میں فرمایا گیا: ''قیامت کے قریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ جب مسجد کو نقش و نگار سے خوبصورت بنایا جائے گا، لیکن تم دیکھو گے کہ دل اللہ کی یاد سے غافل ہوں گے۔'' (کنز العمال: ۳۸۴۹۵)

چار دکانوں کا حساب:

ایک امام صاحب کو غلط فہمی ہوئی کہ میں نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا یا چار رکعتوں کے بعد؟ انھوں نے مقتدیوں سے پوچھا: ''میں نے کتنی رکعتیں پڑھائی ہیں؟'' مقتدیوں میں سے کوئی بندہ بھی ایسا نہیں تھا جو امام صاحب کو یقین سے بتائے، کہ دو

رکعتیں پڑھی ہیں یا چار؟ سارے کنفیوز (پریشان) ہیں۔اس حالت میں ایک بوڑھے میاں اٹھے اور انہوں نے کہا: ''مولانا! آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں، پکی بات ہے۔'' مولانا صاحب نے دوبارہ پھر چار رکعتیں پڑھائیں۔بوڑھے کا بعد میں شکریہ ادا کیا کہ آپ کی بڑی مہربانی اور یہ بھی کہا کہ آپ کی توجہ تو بالکل نماز کی طرف رہتی ہے۔ اللہ ہمیں بھی ایسی نمازیں عطا کریں۔پھر امام صاحب نے پوچھا کہ آپ نے ایسی نماز پڑھنی کیسے سیکھی؟ بڑے میاں نے جواب دیا کہ میرے چار بیٹے ہیں۔ان کی چار دکانیں ہیں۔میں ہر ایک رکعت میں ایک دکان کا حساب کرتا ہوں۔اب دو دکانوں کا حساب کیا اور دو باقی رہ گئیں۔اس سے مجھے پتا چل گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں اور دو باقی رہ گئی ہیں۔

حفظِ قرآن میں زیادہ عرصہ کیوں لگتا ہے؟

بچے اور بچیاں اپنی تعلیم میں وہ عمل نہیں کر پاتے جو ان کے والدین چاہتے ہیں۔ جس بچے کو سال میں قرآن پاک یاد کرنا چاہیے وہ دو سال لگا دیتا ہے اور جس کو دو سال میں یاد کرنا چاہیے وہ چار سال لگا دیتا ہے۔اب قراء حضرات کو یہاں پریشانی ہوتی ہے، مگر وجہ کیا ہوتی ہے کہ بچے اپنی توجہ کو ایک طرف مرکوز نہیں کر سکتے۔ بچے بیٹھے کلاس میں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں۔قاری صاحب منزل سن رہے ہوتے ہیں اور بچے ایک دوسرے سے اشارے کے ساتھ باتیں بھی کر رہے ہوتے ہیں۔حتیٰ کے منزل سنانے کے دوران لطیفے سنا رہے ہوتے ہیں۔ایک بچہ منزل سنا رہا ہوتا ہے اور جھول رہا ہوتا ہے اور دوسرا سن بھی رہا ہوتا ہے اور جھول بھی رہا ہوتا ہے۔قاری صاحب سمجھ رہے ہوتے ہیں پارہ پڑھا جا رہا ہے۔اس کی بنیادی وجہ کیا

ہے؟ ان بچوں کے اندر کنسنٹریشن پاور پیدا کرنے والی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اگر وہ آ جائے تو ان کے لیے اپنی کتابوں کو پڑھنا اور قرآن مجید کو یاد کرنا بہت آسان ہو جائے۔ اگر بڑوں کے اندر یہ چیز پیدا ہو جائے تو ان کی نمازوں کی کیفیت درست ہو جائے گی۔ اس لیے ذکر کو باقاعدہ کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے تا کہ ہمارے اندر اللہ رب العزت توجہ کو مرکوز کرنے والی صلاحیت عطا فرمائے۔

(۳) صبر اور حلم

ایک تیسری چیز ہے جسے کہتے ہیں ''صبر''۔ ذکر کرنے سے انسان کے اندر صبر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ صبر کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ملتی ہیں؟ اس سے انسان کو خاص طور پر ایک نعمت ملتی ہے جس کو ''حلم'' کہتے ہیں۔ حلم کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی ناگوار چیز پر بھڑک اٹھنے کے بجائے صبر سے کام لے۔ گویا سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا اسے ''حلم'' کہتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حلم اور بردباری:

اللہ رب العزت سے علم بھی مانگنا چاہیے اور حلم بھی مانگنا چاہیے۔ آج علم تو ہوتا ہے، مگر حلم نہیں ہوتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات میں اللہ تعالیٰ نے علم بھی رکھا تھا اور حلم بھی رکھا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدلہ لینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ یہ حلم آج گھروں کے اندر بھی نظر نہیں آتا۔ بیوی ذرا سی

بات پر غصے میں آ جاتی ہے اور خاوند بھی ذرا سی بات پر غصے میں آ جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حلم کی کمی ہے۔ یہ صفت ذکر کی وجہ سے آتی ہے۔ یہ صبر بڑی نعمت ہے۔ اس کی آپ نے اگر کامل صورت دیکھنی ہے تو نبی پاک ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھ لیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں کتنا حلم عطا کیا تھا۔

صبر کا درس:

دیکھیں! ایک درخت ہوتا ہے جو پھلوں سے لدا ہوا ہوتا ہے، پتے سبز ہوتے ہیں، پھل ہوتے ہیں، پھول ہوتے ہیں اور یہ بہت خوبصورت نظر آ رہا ہوتا ہے۔ لیکن جب اس پر خزاں کا موسم آتا ہے تو پھل ختم ہو جاتے ہیں، پھول ختم ہو جاتے ہیں، پتے پیلے پڑ جاتے ہیں، خشک ہو کر گر جاتے ہیں اور وہ درخت ٹنڈ منڈ ہو جاتا ہے۔ اب اس پر سردی کا موسم بھی آتا ہے تو سردی کے موسم میں اب اس پر ہوائیں چلتی ہیں اور کئی جگہوں پر برف بھی ہوتی ہے۔ وہ ٹنڈ منڈ درخت خاموشی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس درخت کو پتا ہے کہ حالات میرے مخالف ہیں اور مجھے صبر کے ساتھ کام لینا ہے۔ چنانچہ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے چل رہے ہوں، بارش آ رہی ہو، طوفان آ رہے ہوں، برف باری ہو رہی ہو تو پھر بھی وہ ٹنڈ منڈ درخت لکڑی کی طرح نظر آتا ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ وقت گزار رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس درخت کا یہ صبر اللہ تعالیٰ کو اتنا اچھا لگتا ہے کہ تھوڑے عرصے کے بعد سردی کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور دوبارہ بہار کا موسم آتا ہے۔ ٹنڈ منڈ درخت میں سے پھر شگوفے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں، کونپلیں نکلتی ہیں، پتے بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے پھول بھی عطا کر دیتا ہے اور اسی درخت کو پھر پھلوں سے بھی لاد دیتا ہے۔

ہر انسان کی زندگی میں کبھی کبھی ایسے حالات ہوتے ہیں جن کو مخالف حالات کہتے

ہیں۔ہم اس درخت سے ہی سبق لے لیں۔ہم بھی ذرا خاموشی سے صبر سے اپنا وقت گزارنے کی کوشش کریں۔اگر آج مخالف حالات ہیں تو ایک وقت آئے گا کہ جب اللہ موافق حالات بھی عطا فرمائیں گے،مگر ہم صبر سے کام نہیں لیتے۔ذرا سی کوئی بات ہوتی ہے تو فوراً ابگاڑ پیدا کر لیتے ہیں۔گھروں میں طلاقیں کیوں ہوتی ہیں؟ بچی کو اگر ساس کوئی اچھی بات سمجھا بھی دے تو وہ سمجھانے کو بھی برا سمجھتی ہے۔اپنی ماں اگر جوتے بھی مارے تو صبر کر جائے گی اور اپنی ساس جس کو شریعت نے ماں کا رتبہ دیا،وہ اگر جائز چیز سمجھا بھی دے کہ بیٹی! آپ نے پکانے میں یہ غلطی کی ہے،تو بگڑ جاتی ہے۔سچی بات بھی اس کو بری لگتی ہے اور وہ اس کو برا مان کر شکایتیں کرنے لگ جاتی ہے۔اگر یہ بچی صبر کے ساتھ یہاں وقت گزارے تو اللہ رب العزت اس کے صبر کو قبول کر کے گھر کے سارے لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ فرما دیں گے۔اگر اچھے حالات ہمیشہ نہیں رہتے تو برے حالات بھی ہمیشہ نہیں رہتے۔اس لیے ہمیں صبر کے ساتھ کام لینا چاہیے۔آپ دیکھیں گے کہ اللہ رب العزت اس صبر کا کتنا بدلہ عطا فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں۔بڑے مہربان ہیں۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ میں حلم اور بردباری:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کشتی کا سفر کر رہے تھے۔اللہ تعالیٰ کی شان کہ انہوں نے حلق کروایا تھا،ٹنڈ کروائی ہوئی تھی،ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔جب کشتی میں سفر کرنے لگے تو ہوا تیز چل رہی تھی ...... دریاؤں کے اوپر ہوائیں چلتی ہیں ...... ان کو ڈر ہوا کہ ٹوپی کہیں اُڑ کر دریا میں نہ چلی جائے۔انھوں نے ٹوپی اتار لی اور جیب میں ڈال لی۔دریا عبور کرنے میں ٹائم کافی لگتا ہے۔ایک چھوٹا بچہ ان کے قریب آیا تو اسے ان کی

ٹنڈ بہت اچھی لگی۔ اس نے سر کے اوپر ہاتھ رکھا تو اس کو نرم نرم اور ملائم لگا۔ اس نے جا کر دوسروں کو بلایا۔ دوسرا آیا، اس نے بھی تجربہ کیا۔ پھر تیسرے نے۔ اب بچوں کو تو راستہ مل گیا۔ جبکہ وہ خاموشی سے بیٹھے ''اللہ اللہ'' کر رہے تھے۔ کچھ بچے شرارتی بھی ہوتے ہیں، کچھ شرارتی روحیں بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک شرارتی بچہ آیا، اس نے ہاتھ لگانے کے بجائے ہلکا سا تھپڑ لگا دیا۔ اب لوگ ہنسنے لگ گئے۔ پھر دوسرا آیا، اس نے بھی تھپڑ لگایا۔ تماشا یہ بنا کہ بچے ان کے سر پر تھپڑ لگانے لگے اور مرد اور عورتیں قہقہے لگانے لگے۔ عجیب طوفانِ بدتمیزی برپا ہوا۔ اللہ کا یہ فقیر بندہ سر جھکائے اللہ کی یاد میں مشغول بیٹھا ہے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں رہا۔ جب بچوں نے کافی بدتمیزی کی اور بڑوں نے قہقہے لگائے تو اس وقت اللہ رب العزت کو جلال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے دل پر الہام کیا: ''اے علی ہجویری! اب لوگوں نے آپ کی کتنی بے عزتی کی، کتنا بدتمیزی کا معاملہ کیا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس کشتی کو الٹ دوں؟ جیسے ہی ان کے دل میں الہام ہوا تو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا مانگی ''اے اللہ! اگر آپ کشتیاں الٹنا ہی چاہتے ہیں تو ان سب کے دلوں کی کشتیوں کو الٹ دیجیے۔'' دعا قبول ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اس کشتی میں جتنے مرد اور عورتیں تھیں ان کو اس وقت تک موت نہ آئی جب تک کہ ان کو ولایت کا نور حاصل نہ ہوگیا۔ ہمارے بڑوں کا یہ حال تھا!! اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (فصلت: ۳۴)

''تم برائی کا دفعیہ ایسے طریقے سے کرتے رہو جو بہترین ہو۔''

لہٰذا وہ برائی کا جواب بھی ہمیشہ اچھائی کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ مگر یہ چیز اس وقت

ہوتی ہے جس وقت ان کے اندر حلم ہو۔ اگر ان کے اندر حلم ہی نہ ہو...... کرے پہلے اور سوچے بعد میں......تو پھر اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

اس لیے یہ چیز جسے ''ذکرِ الٰہی'' کہتے ہیں، ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا﴾ (الاحزاب:۴۱)

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔''

جب تک ہم اللہ رب العزت کا ذکر کثرت کے ساتھ نہیں کریں گے، تب تک ہمارے اندر نہ قوتِ ارادی پیدا ہوگی، نہ کنسنٹریشن پاور پیدا ہوگی اور نہ ہمارے اندر صبر کی کیفیت پیدا ہوگی۔ ہم ذکر کثرت کے ساتھ کریں اور اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کریں، تب ہماری نمازیں بنیں گی۔

آج ہم کیا سمجھتے ہیں؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ جب ہم مسجد میں دنیا کے خیالات میں ڈوبے ہوئے آکر ''اللہ اکبر'' کہیں گے تو بس ہم نماز کے اندر ڈوب جائیں گے، یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے!؟

نماز کے باہر نماز کی تیاری:

نماز کے باہر نماز کی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ آپ ذرا غور کریں کہ اگر ایک آدمی چاہے کہ میں باکسنگ کا مقابلہ کروں اور ٹائٹل جیت لوں، تو اس کے لیے اسے تیاری کرنی پڑتی ہے۔ آپ اسے دیکھیں گے کہ کبھی وہ دوڑ رہا ہوگا، کبھی وہ ورزش کر رہا ہوگا، کبھی وہ ربڑ کی بنی ہوئی چیز کو مکے لگا رہا ہوگا۔ یعنی وہ اپنے جسم کے اندر باکسنگ کرنے

کی ایک صلاحیت پیدا کر رہا ہے کہ میرا جسم اس قابل بن جائے اور اتنا سٹرانگ ہو جائے۔ اتنی محنت کر کے وہ اپنے جسم کو تیار کرتا ہے۔ جب وہ بندہ ''رنگ'' میں قدم رکھتا ہے اور مخالف کے سامنے آتا ہے تو مخالف کو شکست دے کر اپنا ٹائٹل جیت کے دکھا دیتا ہے۔ یہ کیا وجہ تھی؟ اس بندے نے رنگ کے باہر اس کی تیاری کی تھی۔ اس طرح اگر ہم چاہتے ہیں کہ نماز کے رنگ کے اندر آ کر یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھیں اور شیطان کو شکست دے دیں تو ہمیں نماز کے باہر اس کی تیاری کرنی پڑے گی۔ یہ ذکر کرنا، مراقبہ کرنا، تہجد پڑھنا، اتباعِ سنت کرنا، سچ بولنا اور رزقِ حلال کمانا یہ سب ایکسرسائز ہیں، جن کے ذریعے انسان کے اندر صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ہم اپنے اندر ان صلاحیتوں کو پیدا کریں۔ پھر جب ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز کے رنگ میں داخل ہوں گے تو اتنی یکسوئی کے ساتھ ہم نماز پڑھیں گے کہ شیطان کو شکست ہوگی، اللہ رب العزت کا ہمیں قرب نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ٹائٹل جیتنے والے بن جائیں گے۔ اور اگر ہم نے خارج میں محنت نہ کی تو پھر ہم نماز کے اندر بھی یکسوئی حاصل نہیں کر پائیں گے۔ اگر بندہ باہر محنت نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں باکسنگ کا مقابلہ جیتنا چاہتا ہوں۔ رنگ میں داخل ہوگا تو یہ مخالف کا ایک مُکّا بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہی حال آج ہمارا ہے کہ باہر ہم نے محنت نہیں کی ہوتی اور ہم ''اللہ اکبر'' کہہ دیتے ہیں، مگر ہمارے اندر دو منٹ کے لیے بھی یکسوئی نہیں ہوتی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ پھر جب ہم نماز کے اندر آئیں گے تو جو یکسوئی کی کیفیت ہم نے پیدا کی ہوگی وہ اچھی نماز پڑھنے میں ہماری معاون ہوگی۔ اللہ رب العزت بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرا بندہ اپنی زندگی گزارے اور لیٹے، بیٹھے، چلتے اپنے ہر حال میں مجھے یاد رکھے۔

اللہ کی یاد کو ونڈوز پروگرام بنا لیجیے!

دیکھیں! آج کمپیوٹر کا زمانہ ہے۔ چھوٹے بچے بھی کمپیوٹر کی باتیں بڑے شوق سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور ان کو بھی بات جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ عاجز آپ کو کمپیوٹر کی ایک مثال دے دیتا ہے تاکہ ذرا بات جلدی میں سمجھ آجائے۔ کمپیوٹر کے اندر ایک پروگرام ہے جسے ''ونڈوز پروگرام'' کہتے ہیں۔ جتنے بھی کمپیوٹر آتے ہیں ان میں یہ ونڈوز کا پروگرام پڑا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مین پروگرام ہوتا ہے اور اس کے بعد آدمی چھوٹے چھوٹے دوسرے پروگرام چلا دے تو ونڈوز پروگرام ان سب کو سپورٹ کر رہا ہوتا ہے اور ان کی ہیلپ کر رہا ہوتا ہے۔ آدمی ایک ونڈو کھولے اور کام کر کے بند کر دے، ونڈوز پروگرام اسے سپورٹ کرے گا۔ دوسری ونڈو کھولے گا اور کام کر کے بند کر دے۔ جتنی ونڈوز کھول کر بند کر دے ونڈوز پروگرام اسے سپورٹ کرے گا اور اس کے کام میں اس کا معاون بنے گا۔

بالکل اسی طرح سمجھ لیجیے کہ یادِ الٰہی ہماری زندگی کا ونڈوز پروگرام ہے۔ ہم یادِ الٰہی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے لیے اپنے قدم بڑھائیں۔ پھر ہم دسترخوان بچھائیں تو فوڈز کا پروگرام کھولیں، مگر یادِ الٰہی کے ساتھ۔ ہم اپنے گھر کے اندر داخل ہوں، فیملی انٹر ایکشن کا پروگرام کھولیں، مگر اللہ کی یاد کے ساتھ۔ ہم دفتر کے اندر قدم رکھیں، دفتر کا کام کریں، مگر اللہ کی یاد کے ساتھ۔ جو کام بھی کریں، مگر پیچھے ہمارے دل کے اندر اللہ کی یاد ہو۔ ہم مختلف پروگرام کھولتے ہیں تو پیچھے ونڈوز چل رہا ہوتا ہے۔ یہ کورل پروگرام ہے۔ پیچھے ونڈوز پروگرام چل رہا ہوتا ہے۔ زندگی ایسی ہونی چاہیے کہ ہم جو بھی کام کریں اس کے پیچھے اللہ کی یاد کا ونڈوز پروگرام چل رہا ہو۔ اللہ رب العزت نے قرآن

مجید میں ان الفاظ میں بتادیا:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ﴾ (النور:۳۷)

''میرے وہ بندے جن کو تجارت اور خرید وفروخت بھی میری یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی یاد والی زندگی عطا فرمائے اور ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾
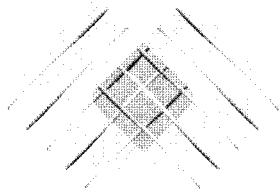
باطنی بیماریاں اور ان کی اصلاح

باطنی بیماریاں اور ان کی اصلاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی﴾ (الاعلیٰ: ۱۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

عالمِ ارواح اور عالمِ خلق میں ہماری حالت:

انسان اس دنیا میں چند روز کا مہمان ہے۔ یہ دنیا آرام گاہ نہیں، سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، قیام گاہ نہیں، بلکہ امتحان گاہ ہے۔ افسوس کہ ہم نے اسے چراگاہ بنالیا۔ ایک مدت اور مہلت ہم نے اس دنیا میں گزارنی ہے، پھر اپنی اصل منزل یعنی

آخرت کی طرف لوٹ جانا ہے۔ہم عالمِ ارواح سے اپنے سفر کا آغاز کر چکے ہیں۔جب ہم عالمِ ارواح میں تھےتو ہماری روحیں ہر وقت اللہ تعالی جل جلالہ کا ذکر کرتی تھیں۔ہم سب اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح بیان کرتے تھے۔جب اللہ رب العزت نے ہمیں عالمِ خلق میں بھیجا تو دنیا کے اندر آ کر ہم دنیا کی رنگینیوں میں الجھ گئے، یہاں کی لذت میں پھنس گئے، ہم یہاں کی الجھنوں کے کیچڑ میں دھنس گئے۔ایک طرف شیطان نے بہکایا، دوسری طرف نفس نے ورغلایا،جس کی وجہ سے ہمیں گناہ کرنے کی عادت پڑگئی اور ہم اپنے پروردگار سے غافل ہو گئے۔کاش!ہمیں اس چیز کا احساس ہو جائے کہ ہم نے زندگی کیسے گزارنی ہے؟

نصیحت آموز کلام کی تاثیر:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الذٰریت:۵۵)

''آپ نصیحت کیجیے!نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔''

انسان خواہ کتنی ہی غفلت بھری زندگی گزار رہا ہو، اس کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنایا جائے یا نبی اکرم ﷺ کا فرمان سنایا جائے،تو کلام دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔اس کلام میں اتنی تاثیر ہے کہ دلوں کو نرم اور موم کر دیتا ہے۔انسان دنیا کی طرف سے توجہ ہٹا کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اللہ سے منہ موڑنے والوں کی مثالیں:

جس انسان کی تھوڑی سی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ گئی، اس کی مثال بھنگے آدمی

کی طرح ہے اور بھینگا آدمی عیب دار ہوتا ہے۔ یا اس کی مثال کانے انسان کی طرح ہے جسے ایک طرف سے تو نظر آتا ہے دوسری طرف سے نظر نہیں آتا۔ یا اس کی مثال لقوہ کے مریض کے مانند ہے۔ ''لقوہ'' اس مرض کو کہتے ہیں جس میں آدمی کا چہرہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کے چہرے کی ترتیب بگڑ جاتی ہے۔ اور جس آدمی کا رخ اللہ رب العزت کی ذات کی طرف ہو اس کی مثال اس انسان کی سی ہے، جو صحت مند ہو اور اس کا چہرہ بالکل سیدھا ہو۔

جس انسان نے اللہ رب العزت کو بھلا کر زندگی گزاری اس کافر اور مشرک کی مثال کزاز (Tetnus) کے مریض کے مانند ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس میں انسان کی گردن مڑ جاتی ہے اور پشت کی طرف اس کا چہرہ ہو جاتا ہے۔

اس عاجز کے پاس ایک مریض لایا گیا۔ وہ مریض چل کر آ رہا تھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور اس کا رخ دوسری جانب تھا۔ اس آدمی کی گردن کو پکڑ کر پوری طرح کھینچا جاتا تو اس کا رخ سیدھا ہوتا۔ اس کو چھوڑتے تو اس کا رخ پیچھے کی طرف چلا جاتا۔ کافر اور مشرک کی مثال کزاز والے مریض کی طرح ہے۔ جس نے اپنا رخ اللہ رب العزت کی طرف سے ہٹا کر دنیا کی طرف کر رکھا ہوتا ہے۔

؎ قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کدھر دیکھتے ہو؟ کدھر جا رہے ہو؟

بندہ سفر تو قبر کی طرف کر رہا ہوتا ہے اور نگاہیں دنیا پر جمی ہوتی ہیں، رال ٹپک رہی ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ دنیا کا یہ بھی کر لیتے ہیں، وہ بھی کر لیتے ہیں۔ دنیا کا یہ بھی مل جاتا اور وہ بھی مل جاتا۔ جو انسان غفلت والی زندگی گزار رہا ہو وہ خسارے میں ہے۔

﴿خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ﴾ (الحج:۱۱)

دنیا اور آخرت کا یہ خسارہ بہت ظاہر اور باہر کا خسارہ ہے۔

اللہ سے دل لگا لیجیے!

عقل مند انسان تو وہ ہے جو اپنے اللہ سے دل لگائے۔ آج اللہ رب العزت کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ ذرا سوچیے! اگر رشتے داروں میں سے کوئی ناراض ہو جائے، تو ہم اس کے گھر جاتے ہوئے جھجکتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ ممکن ہے وہ ہمیں بے عزت کر کے نکال دے۔ اگر پروردگار سے تعلق ٹھیک نہ ہوا تو یہ لوگ جب پروردگار کے حضور پیش ہوں گے، تو اللہ رب العزت بھی ان کو دھکے دلوائیں گے۔ قرآن پاک اس بات پر گواہی دیتا ہے:

﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ (الطور: ۱۳)

''جس دن گناہگاروں کو فرشتے دھکے دے دے کر اوندھے منہ گرا دیں گے۔''

اللہ رب العزت کے ہاں ان کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔ اس آیت کے صوتی اثرات بھی بتلاتے ہیں کہ جیسے کوئی دھکے دے رہا ہو۔

سنورنے کی جگہ دنیا ہی ہے:

ماں کا پیٹ بچے کی نشوونما کی جگہ ہے۔ جس بچے کی نشوونما میں وہاں کمی رہ گئی ولادت کے بعد بچے کی وہ کمی پوری نہیں ہوسکتی۔ ایک بچہ ماں کے پیٹ سے اندھا پیدا ہو تو ساری دنیا کے ڈاکٹر مل کر اس کی آنکھوں کو ٹھیک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ نقص وہ ماں کے پیٹ کے اندر سے لے کر آیا۔ ماں کے پیٹ میں جو کمی رہ جائے، وہ دنیا میں آ کر پوری نہیں ہوتی۔

زمین وآسمان کا پیٹ ہمارے دل کی جگہ ہے۔ اگر اس زمین وآسمان کے درمیان ہم اپنے اعمال ٹھیک نہ بنا سکے، ہم اپنے دل پر محنت نہ کر سکے اور دنیا سے کوئی عیب لے کر چلے گئے تو وہاں جا کر یہ کمی پوری نہیں ہو سکے گی۔ کفار ایمان والوں سے کہیں گے:

﴿اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ (الحدید: ۱۳)

''ذرا ہماری طرف بھی توجہ کرو! ہم بھی تمہاری روشنی سے فائدہ اٹھائیں۔''

ایمان والے کہیں گے: ''جاؤ پیچھے! یہ روشنی تو دنیا سے ملا کرتی تھی۔'' (الحدید: ۱۳)

دنیا کی منڈی سے تم نے روشنی والا سامان خرید کر لانا تھا۔ اگر تم یہ روشنی نہیں لائے تو اب یہ یہاں نہیں مل سکتی۔ زمین وآسمان کا پیٹ ہمارے دل کے بننے کی جگہ ہے۔ اعمال کے بننے کی جگہ ہے۔ آج ہم اپنے اوپر محنت کریں۔

جسمانی اور روحانی بیماریاں:

انسان دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک کا نام روح اور دوسری کا نام جسم ہے۔ روح کی الگ بیماریاں ہیں اور جسم کی الگ بیماریاں ہیں۔ اگر جسم بیمار ہو تو ہم بھاگے بھاگے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے سر میں درد ہو اور ہم اس کی دوائی نہیں کھائیں گے تو تکلیف ہوگی۔ بخار ہو اور اگر دوائی نہیں کھائیں گے تو تکلیف ہوگی۔

جس طرح جسم کی بیماریاں ہیں اسی طرح روح کی بھی بیماریاں ہیں۔ اگر روح کی بیماریوں کا ہم نے علاج نہ کروایا تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ روح کی بیماریاں یہ ہیں:

......انسان کے دل میں طمع ہونا۔

......تکبر ہونا۔

...... عجب ہونا۔

...... غصہ ہونا۔

...... شہوت ہونا۔

...... کینہ ہونا۔

ان کو ''دل کی خطرناک بیماریاں'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرۃ:۱۰)

''ان (کافروں، منافقوں، مشرکوں) کے دلوں میں مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرض کو اور بڑھاتا ہے۔''

باطنی مرض کی دلیل:

جس آدمی کی نگاہ اپنے قابو میں نہیں ہوتی اور جو غیر عورت کو دیکھ کر دل میں طمع کرنے لگ جاتا ہے، یہ اس کے دل کے مرض کی علامت ہے۔ اور آج حالت ایسی ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر دعائیں مانگتے ہیں اور مسجد سے باہر نکلے تو بازار میں غیر محرم بچیوں پر نگاہیں پڑ رہی ہوتی ہیں۔ یہ جو شکاری کتے کی طرح ہماری نگاہیں پڑتی ہیں، یہ ہمارے باطن کے مرض کی دلیل ہے۔ ہمارے اندر یہ روگ ہے، اس کا علاج کروائیں، اس سے پہلے کہ ہمیں موت آجائے۔

اگر دل بگڑ چکا ہو تو......:

بدنظری کا تعلق شادی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس بندے کی شادی ہو چکی ہے وہ بدنظری نہیں کرے گا۔ اس بدنظری کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اگر

دل بگڑا ہوا ہوتو آدمی چار نکاح بھی کرے تو اس کی نگاہیں پاک نہیں ہوں گی۔ نگاہوں میں میل ہوگی تو جب نگاہ اٹھے گی تو وہ حسرت بھری نگاہ ہوگی، للچائی ہوئی نظر ہوگی۔ اس کا تعلق قلب کی گندگی کے ساتھ ہے۔

حیا ہوتو ایسی:

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کنواری عورتوں سے بھی زیادہ حیا والے تھے۔ (بخاری، رقم: ۳۵۶۲، صحیح ابن حبان، رقم: ۶۳۰۷) گویا آنکھوں میں حیا ہونا انسان کے باطن کی صفائی کی علامت ہے۔ جب باطن پاک ہوتا ہے تو پھر نگاہ پاک ہوجاتی ہے اور جب آنکھوں میں میل ہوتو پھر انسان کی نگاہ ہر ایک کے اوپر پڑتی ہے اور دل گناہ کرتا رہتا ہے۔

اگر دل کے جذبات پر پکڑ ہوتی تو......!!!

اگر اللہ رب العزت دل کے جذبات پر گرفت کرتے تو معلوم نہیں کہ ہم نے دل میں کتنی عورتوں کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کیا ہوتا۔ اس لیے اگر کسی مرد نے میلی نظر کسی عورت کی طرف اٹھائی تو گویا وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ گناہ کر چکا ہے۔ اگر چہ اس کو گناہ کرنے کا موقع نہیں ملتا، لیکن اپنے دل میں تو یہ گناہ کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ کریم دلوں کے جذبات پر پکڑ نہیں فرماتے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جب تک تم عملاً نہیں کرو گے، میں کریم آقا ہوں، میں دلوں کے جذبات پر تمہیں نہیں پکڑوں گا۔ اگر دلوں کے جذبات پر پکڑے جاتے تو پتہ نہیں ہمارا کیا حال ہوتا؟ غیر کی طرف آنکھ کا اٹھنا ہمارے لیے باطن کے مرض کی علامت ہے۔ جو آدمی غیر پر بری

نظر ڈالنا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عبادات میں لذت عطا فرما دیتے ہیں۔

مزہ تو ایک ہی ملتا ہے:

آج کتنے نمازی ایسے ہیں جن کا نماز کے اندر دل نہیں لگتا، نماز میں مزہ نہیں آتا، تلاوت میں مزہ نہیں آتا، ہم تو غیروں کے مزے لیتے پھرتے ہیں۔ ہمیں عبادت میں کیا مزہ آئے گا؟ مزہ تو ایک ہی ملتا ہے، عبادات کا مزہ یا حرام کا مزہ۔

ایمان کی ٹھنڈک پانے کا طریقہ:

نیکی میں قدم بڑھائیں۔ اس محنت میں لگ جائیں کہ ہم نے بدنظری نہیں کرنی۔ غیر سے آنکھوں کو ہٹا لیں۔ اللہ سے معافی مانگیں اور دعا کریں ''اے اللہ! مجھے نفس اور شیطان برائی کی طرف کھینچ رہے ہیں، پروردگار! میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے بچا لے۔ اے اللہ! دل کی کشتی تیرے حوالے کرتا ہوں۔'' جب ہم اس طرح دعائیں مانگیں گے تو پھر دیکھیے! اللہ رب العزت کیسے ہمارے دل میں ایمان کی ٹھنڈک عطا فرماتے ہیں۔

عبادات کا مزہ:

یہ اللہ والے جو ساری ساری رات عبادات کرتے ہیں اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے ہیں، ان کو بھی کوئی مزہ آتا ہے جس کی وجہ سے وہ رات ایسے گزار دیتے ہیں۔ ان مزوں سے اللہ والے ہی واقف ہوتے ہیں۔ ہم ابھی تک بالغ طریقت ہی نہیں ہوئے کہ ہمیں ان مزوں کا پتہ ہو۔

......قرآن مجید پڑھنے کا مزہ کچھ اور ہے۔

......نماز پڑھنے کا مزہ کچھ اور ہے۔

......اللہ کے راستے میں صدقہ دینے کا مزہ کچھ اور ہے۔

......رات کے آخری پہر میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے کا مزہ کچھ اور ہے۔

قبولیتِ دعا کا لمحہ:

جب آدمی گناہوں سے بچے گا تو اسے اعمال میں لذت محسوس ہوگی۔ اگر کوئی آدمی گناہ کرنے پر قادر ہو اور وہ گناہ نہ کرے، وہ اللہ کے خوف سے ڈر جائے، اس لمحے میں وہ اللہ سے جو بھی دعا مانگے، اللہ اس کی دعا کو قبول فرما لیتے ہیں۔

تکبر کی مذمت:

تکبر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں وہ شخص داخل ہو ہی نہیں سکتا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (ترمذی، رقم:۱۹۹۹)

جب کھانے کو مل جائے اور پیٹ بھر جائے تو پھر بندے کی زبان میں اور آواز میں پیسے کی جھنکار شامل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دوسرے انسانوں کو انسان نہیں سمجھتا۔ وہ آدمی اونچے بول بولتا ہے اور کہتا ہے: ''میں تیرے جیسوں کو خرید کر یوں کر دوں۔''

تکبر اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا:

چند گناہ ایسے ہیں جن کی سزا آخرت میں بھی ملے گی، دنیا میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کی سزا ضرور دیتے ہیں۔ ان گناہوں میں ماں باپ کی نافرمانی وہ گناہ ہے کہ آخرت میں بھی عذاب ہوگا، دنیا میں بھی اس کی سزا ملتی ہے۔ اسی طرح تکبر بھی ان

گناہوں میں سے ہے، جن کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔

بڑے بول بولنے سے پہلے ذرا سوچیں!

بڑے بڑے بول بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل ورسوا کردیتے ہیں۔ تخت پر بیٹھنے والے تختے پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ﴾ (ابوداؤد، رقم: ۴۰۹۲)

''عظمت اور بڑائی تو میری چادر ہے۔''

جو کوئی چادر چھیننے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو تگنی کا ناچ نچائیں گے۔

میرے دوستوں! اپنی ''میں'' کو توڑیں۔ اللہ رب العزت کی نعمتوں کی قدر دانی کریں۔ نعمتوں کے زائل ہونے کا انتظار نہ کریں۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کریں۔ اللہ سے مانگیں، توبہ واستغفار کریں اور اپنے شیخ سے رشتہ مضبوطی کے ساتھ جوڑیں۔

کینہ سے بچیے!

کسی مؤمن کے بارے میں دشمنی رکھنے کو ''کینہ'' کہتے ہیں۔ آج قریبی رشتہ داروں میں کینہ ہوتا ہے۔ لڑائیاں، جھگڑے اور غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔

......آج بہن کے دل میں بھائی کا کینہ۔

...... بھائی کے دل میں بہن کا کینہ۔

...... پڑوسی کے دل میں پڑوسی کا کینہ۔

......اسی طرح ایک دوسرے کے بارے میں دلوں میں نفرتیں موجود ہوتی ہیں۔

جس کے بارے میں کینہ ہو اس کو اللہ کے لیے معاف کردیجیے!

جنت کی بشارت:

حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کے بارے میں فرمایا: ''وہ جنتی آ رہا ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے کہ زبانِ نبوت سے اس کے جنتی ہونے کی بشارت مل گئی۔ ایک صحابی کہنے لگے کہ میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور دیکھوں گا، کہ وہ کونسا خاص عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو جنتی کہا گیا ہے؟

چنانچہ وہ صحابیؓ دوسرے صحابی کے پاس گئے اور کہنے لگے: ''اگر آپ اجازت دیں تو میں تین دن تین رات آپ کے ہاں مہمان رہنا چاہتا ہوں...... دل میں نیت یہ تھی کہ میں ان کی عبادت کو دیکھوں گا، میں ان کی تنہائی کی زندگی کو دیکھوں گا، کہ یہ کونسا عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے؟...... چنانچہ تین دن ان کے ساتھ رہے، مگر ان کے اعمال ایسے ہی تھے جیسے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔ کوئی خاص چیز نظر نہ آئی تو تیسرے دن انہوں نے کہا: ''بھائی! میں تو اس وجہ سے مہمان ٹھہرا تھا، لیکن مجھے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔ آپ بتا دیجیے کہ آپ کا کونسا عمل ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کو اتنا پسندیدہ ہے، کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے جنت کی بشارت دے دی؟'' وہ سوچ کر کہنے لگے کہ کوئی خاص عمل ایسا نہیں، البتہ جب رات کو سونے لگتا ہوں تو اگر میرے دل میں کسی مؤمن کے بارے میں کوئی غصہ ہوتا ہے یا دل میں کوئی میل ہوتی ہے تو میں سب کو معاف کر کے سوتا ہوں۔ میں سینہ بے کینہ کر کے سوتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرا یہ عمل پسند آ گیا ہو۔ (مسندِ احمد، رقم: ۱۲۶۹۷، مجمع الزوائد: ۱۵۰/۸)

کینہ پرور کی بخشش نہیں ہوتی:

حدیث پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ بڑے

بڑے گناہگاروں کی بخشش کر دیتے ہیں، مگر چند لوگوں کی بخشش اس رات میں بھی نہیں ہوتی اوران میں سے ایک وہ بندہ ہے جس کے دل میں کسی کے بارے میں کینہ ہو۔

(شعب الایمان، رقم: ۳۶۹۵)

ایک سبق آموز حکایت:

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک آدمی کی بیوی سے کوئی غلطی ہوئی۔ وہ آدمی اگر چاہتا تو بیوی کو سزا دے سکتا تھا، مگر اس نے کہا: ''میری بیوی اللہ کی بندی ہے، اس سے بھول ہوگئی ہوگی۔ اس نے اپنی بیوی کو معاف کر دیا۔'' اس شخص کی وفات ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد کسی آدمی کو خواب میں ملا۔ اس آدمی نے اس سے خواب میں پوچھا: ''بتاؤ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟'' وہ آدمی کہنے لگا: ''باقی عمل تو قبول نہ ہوئے، البتہ ایک عمل تھا جو اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو گیا۔ یہ وہ عمل تھا کہ میں نے ایک دفعہ کسی غلطی پر اپنی بیوی کو یہ سوچ کر معاف کر دیا تھا، کہ اللہ کی بندی ہے اس کو سزا نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا اور فرمایا: ''تم نے اسے میری بندی سمجھ کر معاف کیا تھا۔ جا! میں بھی تمہیں اپنا بندہ سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔''

فرصتِ زندگی کم ہے، محبتوں کے لیے:

ایمان والوں کے بارے میں دل میں میل نہ رکھیں۔ اگر کوئی ہم سے زیادتی بھی کر جائے تو اسے اللہ کے لیے معاف کر دیں۔

؎ فرصتِ زندگی کم ہے محبتوں کے لیے
لاتے ہیں وقت کہاں سے لوگ نفرتوں کے لیے؟

معلوم نہیں لوگ نفرتوں کے لیے کہاں سے وقت نکال لیتے ہیں۔ ایمان والوں سے نفرت، رشتہ داروں سے نفرت کرتے ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو بڑا دیندار سمجھتے ہیں۔ اپنا دل کشادہ کریں اور دل سے نفرت دور کریں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

غصہ کو کنٹرول کیجیے!

پارہ کا ہائی ہو جانا ''غصہ'' کہلاتا ہے۔ معمولی بات پر باپ سے بگڑ جانا، ماں سے بگڑ جانا، بھائی سے بگڑ جانا، بیوی پر غصہ کرنا۔ اس وقت تو بندہ آگ ہی نظر آ رہا ہوتا ہے۔ قریبی رشتہ داریوں کو دو لفظوں کے اندر ختم کر دیتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں: ''تمہارے ساتھ بولنا ہی نہیں ہے۔'' بھائی، بھائی کے ساتھ یوں بول رہا ہوتا ہے جیسے کوئی مسلمان کافر کے ساتھ لڑ رہا ہوتا ہے۔ یہ ہماری باطنی بیماریوں کی دلیل ہے۔ غصے کی حالت میں چھوٹی سی بات ہوتی ہے، مگر بیوی کو وہ الفاظ کہہ دیتے ہیں جس سے راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ باپ بیٹے کو پتہ نہیں کیا کیا بول دیتا ہے؟ یہ لوگ گھر میں ماں باپ کو گالیاں بکتے ہیں۔ دار العلوم میں جا کر حدیث پڑھتے ہیں۔ جماعتوں میں جا کر نیکیوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو دیندار سمجھنے والا بندہ غصے کی حالت میں بیوی سے ناراض ہو تو اس کو گالیاں دیتا ہے اور اپنے والد کے ساتھ غصہ کرتا ہے۔

دنیا اور آخرت میں بھائی کی ضرورت:

قرآن کریم میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تو ان کو خیال آیا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾

''اے موسیٰ علیہ السلام! آپ فرعون کے پاس جائیں، وہ باغی طاغی بنا ہوا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا، کوئی میرا دست و بازو بننے والا ہوتا! تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ اپنے بھائی کی طرف گئی اور کہا:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هَارُوْنَ اَخِیْ﴾ (طٰہٰ: ۲۴، ۳۰)

''اے اللہ! میرا وزیر میرے اہل میں سے بنا دے۔ کون؟ ہارون جو میرا بھائی ہے۔''

نبی کی نگاہ پڑی تو اپنے بھائی پر پڑی کہ اسے میرے کام میں شریک کر دیجیے!

آخرت میں ایک مجرم آدمی کھڑا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''اے بندے! تیرے گناہ زیادہ اور نیکیاں تھوڑی ہیں۔'' وہ بندہ کہے گا: ''اے اللہ! مجھے اجازت دیجیے! میں کسی سے نیکیاں مانگ لوں۔''......اس آدمی کو جہنم میں جانا نظر آ رہا ہوگا، پریشانی ہوگی۔ اس وقت اس کے دل میں بڑی عجیب کیفیت ہوگی۔ اس آدمی کا خیال اپنے بھائی کی طرف جائے گا۔

﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ﴾ (عبس: ۳۴)

''جس دن بھائی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔''

یہ آدمی نیکیاں تلاش کرنے والا سب سے پہلے اپنے بھائی کے پاس جائے گا۔ آخرت کی مصیبت میں بھی بھائی یاد آیا اور دنیا کے کاموں میں بھی بھائی یاد آیا۔ ہمیں اپنے بھائی کے رشتے کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ بے قدرے جو بن گئے۔ ان قریبی رشتوں کو دو لفظوں کے اندر ختم کر دیتے ہیں۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ غصہ میں قابو نہیں رہتا۔ ہمیں اس غصے پر قابو کرنا چاہیے، وگرنہ غصہ ہمیں بڑے بڑے مصائب کے اندر

مبتلا کر دے گا۔

غصے کے گھونٹ پینے پر انعام:

جو بندہ دنیا میں دوسروں کی غلطیوں کو جتنا جلدی معاف کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو اتنا جلدی معاف فرما دیں گے۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے:
''جو آدمی غصے کا بدلہ لے سکتا ہو، مگر وہ اللہ کے لیے غصے کو پی لے‘‘۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اختیار دیں گے کہ جس حور سے بھی چاہے شادی کر لے۔

(مسند احمد، رقم: ۱۵۶۳۷)

اس لیے ہم غصے کو قابو کرنا سیکھیں، تاکہ اللہ رب العزت ہمیں قیامت کے دن اپنا دیدار نصیب فرمائیں۔ اگر کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جائیں، کھڑے ہوں تو چل پڑیں یعنی پوزیشن بدل لیں، تاکہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اگر کسی کو غصہ آ جائے تو اسے چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھ لے۔ درود کی برکت سے اللہ تعالیٰ غصے پر قابو عطا فرمائیں گے۔

غصہ سے نجات پانا فرض ہے:

غصہ ایک باطنی بیماری ہے۔ اس سے نجات پانا ہمارے لیے فرض ہے۔ اس کے بغیر ہم جنت میں نہیں جا سکتے۔ جب اس سے نجات پائیں گے، تب ہمیں جنت میں داخلہ ملے گا۔

دنیا کا دستور:

دنیا کا دستور ہے کہ جب کوئی شخص ایک ملک سے دوسرے ملک جانے لگتا ہے، تو دوسرے ملک والے کہتے ہیں: ''اگر تمہیں فلاں فلاں بیماری ہے تو ہمارے ملک میں

نہیں آسکتے۔ ہمارے ملک میں آنے سے پہلے ان بیماریوں کا علاج کراؤ۔'' جو آدمی حج پر جانے لگتا ہے، اس کو جانے سے پہلے ٹیکے لگاتے ہیں۔ وہ ٹیکے اس لیے لگائے جاتے ہیں کہ سعودی عرب والے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں فلاں بیماری ہے تو ہمارے ملک میں نہیں آسکتے ،۔ پہلے ان بیماریوں کا علاج کراؤ، تب ہمارے ملک میں آسکتے ہو۔

اللہ کا قانون:

یہ اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے کہ اگر تم جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو باطنی بیماریوں غصہ، تکبر، کینہ اور عجب کا علاج کراؤ، پھر ہماری جنت میں داخل ہونا۔ جنت تو روحانی طور پر صحت مند لوگوں کی جگہ ہے، پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے، اگر تم روحانی بیماریوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونا چاہو گے تو تمہیں پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

جنت میں جانے کا ایک طریقہ:

جنت میں جانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اللہ سے جڑ جائیں، ذکر کریں ''اللہ اللہ'' کریں، دین کی محنت کریں، تاکہ باطنی بیماریاں دور ہو جائیں۔ اگر ہم نے باطنی بیماریوں سے چھٹکارا پالیا تو مرتے ہی سیدھا جنت میں جائیں گے۔ حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا:

﴿ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ﴾ (جامع الاحادیث، رقم: ۴۵۰۸۵)

''اللہ کا ذکر دلوں کے لیے شفا ہے۔''

اگر ہم اللہ کا ذکر کریں گے تو دل کی بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ اِدھر آنکھ بند ہوگی اور اُدھر جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

باطنی بیماریوں کے علاج کے ہسپتال میں داخلہ:

اگر ہم نے دنیا میں غفلت کی زندگی گزاری اور دنیا میں روحانی امراض سے بچاؤ کی کوشش نہ کی، تو اللہ کریم ہمیں موت کے بعد جہنمیوں کے ہسپتال میں داخل کر دیں گے جیسے بیمار آدمی کو ہسپتال میں داخل کرتے ہیں۔

ایمرجنسی وارڈ:

جو لوگ باطنی بیماریوں کو ساتھ لے جائیں گے تو ان کے لیے قبر ایمرجنسی وارڈ بنا دی جائے گی۔ ایمرجنسی وارڈ میں کیا ہوتا ہے؟ ڈاکٹر مریض کو دوا دے رہے ہوتے ہیں، ٹیکے لگا رہے ہوتے ہیں۔ قبر کے اندر اللہ تعالیٰ اس پر اژدھا مسلط کر دیں گے۔ وہ فجر کی نماز قضا کرنے پر ظہر تک اس کو ٹیکے لگائے گا۔ یہ اژدھا اس کو انجیکشن لگا رہا ہوگا۔ بندے کو یہ انجیکشن اس لیے لگ رہے ہوں گے، تاکہ اس کی بیماری ٹھیک ہو جائے۔

فزیوتھراپی:

پھر قبر اس کو دبائے گی اور دبوچے گی۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ''اِدھر کی پسلیاں اُدھر چلی جائیں گی اور اُدھر کی پسلیاں اِدھر چلی جائیں گی۔'' جب کوئی دنیا میں بیمار ہوتا ہے تو اس کے سر کو دباتے ہیں، اس کو ''فزیوتھراپی'' کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے ''قبر بندے کو اتنا دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔'' انسان اس وقت تکلیف سے پریشان ہوگا۔ (کنز العمال، رقم: ۴۲۱۰۹)

عرش کے سائے سے محرومی:

یہ انسان قبر سے نکل کر حشر کے دن اللہ کے حضور پہنچے گا، تو وہاں پر اس کی بیماریوں کا

مزید علاج ہوگا۔ علاج کیا ہوگا؟ اس کو عرش کا سایہ نہیں دیا جائے گا، دھوپ کے اندر کھڑا کریں گے۔ جیسے کسی بندے کو بڑا نزلہ زکام ہو تو کہتے ہیں: ''اس کو سردی سے بچاؤ!'' اسی طرح جس بندے کو گناہوں کا بخار ہوگا، زکام ہوگا، اس دن سردی نہیں لگنے دیں گے، بلکہ گرمی پہنچائیں گے۔ پسینہ نکل رہا ہوگا اور یہ انسان پریشان ہوگا۔

جہنمیوں والا بدبودار لباس:

جب مریض دنیا کے اندر ہسپتال میں داخل ہوتا ہے، تو اس کے کپڑے بدل کر ہسپتال کے اپنے کپڑے پہنا دیتے ہیں۔ جیسے ''ٹی بی'' کے مریض کو ہسپتال والے کپڑے بدلوا دیتے ہیں۔ یہ بندہ اپنے ذاتی کپڑے نہیں پہن سکتا۔ اسی طرح یہ آدمی جہنم میں جائے گا تو اس کو جہنمیوں والے کپڑے پہنا دیے جائیں گے۔ اس آدمی کا باقاعدہ حساب کتاب ہوگا۔ موجودہ دور میں اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے! جیسے لیبارٹری میں خون ٹیسٹ کرتے ہیں کہ فلاں فلاں بیماری ہے، اب اس ہسپتال میں داخل کرلو۔ قیامت کے دن نامۂ اعمال دیکھیں گے کہ فہرست کیا بتاتی ہے؟ یہ آدمی غصہ کرتا تھا، تکبر کرتا تھا، عجب کرتا تھا، نمازوں میں غفلت کرتا تھا، جھوٹ بولتا تھا، اس آدمی کی ساری کی ساری رپورٹ یہ ظاہر کرتی ہے کہ بندہ شدید بیمار ہے۔ اس لیے اس کو جہنم کے ہسپتال میں داخل کردیا جائے۔

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسان، حیوان، چرند اور پرند سب مرجائیں اور سب کی لاشیں گل سڑ جائیں، جتنی بدبو ان میں ہوگی، جہنمیوں کے کپڑوں میں سے اس سے زیادہ بدبو آئے گی۔ اس وردی کے پہنا دینے کے بعد اس کو جہنم کے اندر رکھا جائے گا اور آگ کے اندر اس کو مختلف قسم کے عذاب دیے جائیں گے۔

جہنم کا انجیکشن:

روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی ایسا ہوگا جس کو بچھوؤں کی غار میں دھکا دے دیا جائے گا اور دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ وہ بچھو اس کے اوپر اس طرح چڑھ جائیں گے جس طرح شہد کے چھتے پر مکھیاں ہوتی ہیں اور اتنے بچھو اسے ایک وقت میں کاٹیں گے اور اس کو بہت زیادہ تکلیف ہوگی۔ آواز آئے گی کہ آج ہم تیرے ایک ایک رگ و ریشے میں ٹیکے لگائیں گے۔ تو اس جسم سے لذتیں لیتا تھا، تو تنہائیاں ڈھونڈتا پھرتا تھا، تو موقع تلاش کرتا تھا کہ میرے جسم کو لذت ملے۔ بچھوؤں کے ڈنگ مارنے کی وجہ سے اسے تکلیف ہو رہی ہوگی، مگر کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا۔

؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

جہنم کا مشروب:

دنیا میں کسی آدمی کا خون خراب ہو یا کوئی جگر کا عارضہ ہو، تو حکیم حضرات اکثر کڑوا شربت پلاتے ہیں جو خون صاف کر دیتا ہے۔ جہنمی کو اس کی باطنی بیماریاں دور کرنے کے لیے کڑوا شربت پلائیں گے۔ اللہ کے قرآن میں اس کے بارے میں آیا ہے کہ ایک بندے کو پیاس لگے گی۔ وہ فرشتے سے کہے گا: ''پینے کے لیے کچھ دو۔'' فرشتہ پیالہ لائے گا۔ اس میں کچھ گرم چیز ہوگی، یہ پیے گا۔ اتنی گرم ہوگی کہ آنتیں کٹ کر پاخانہ کے راستے باہر نکل جائیں گی۔

﴿وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَأْكُلُهُ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ﴾ (الحاقہ:۳۶،۳۷)

مفسرین نے لکھا ہے کہ جہنمیوں کے زخموں سے جو خون اور پیپ نکلے گی فرشتے اس کو اکٹھا کریں گے اور پیالوں میں بھر کر گنہگاروں کو پینے کے لیے دیں گے۔

(روح المعانی: سورۃ الحاقہ)

یہ کڑوا شربت پینا پڑے گا۔ او بے قدرے انسان! آج تیری بیماری دور کرنے کے لیے یہ کڑوا شربت پلانا ضروی ہے۔ چنانچہ خون اور پیپ کا پیالہ دیں گے اور انسان پی رہا ہوگا۔

جہنمی کھانا:

جہنمی کو کھانے کے لیے زقوم کا پودا دیں گے۔ زقوم پر کانٹے لگے ہوں گے۔ جب کھانے لگے گا تو نہ اس کو اگل سکے گا اور نہ اس کو نگل سکے گا۔ بہت زیادہ کڑوا ہوگا۔ یہ معدے میں داخل ہوگا تو ایسا لگے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا چلا جاتا ہے۔ انسان اس کیفیت سے پریشان ہوگا اور اسے تکلیف ہو رہی ہوگی۔

جہنمیوں کی ٹکور:

جیسے دنیا میں کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اس کے جسم کے مختلف حصوں کو گرم چیزوں سے ٹکور کرتے ہیں۔ اسی طرح جہنمیوں کی بھی ٹکور ہوگی۔ ان کی ٹکور اس طرح ہوگی کہ مال پیسے کو جہنم کی آگ میں پگھلایا جائے گا۔ اور اس کی لمبی لمبی سلاخیں بنالی جائیں گی ان سلاخوں سے ان کی پیشانیوں کو داغا جائے گا، ان کے جسموں کو جلایا جائے گا، تا کہ ان سے مال کی محبت کی بیماری دور ہو۔ یہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔

دل پر آگ کی فائرنگ:

جیسے دنیا میں ڈاکٹر کسی مریض کے لیے کھانے کی دوائی تجویز نہیں کرتے، بلکہ کہتے

ہیں: ''اس کو انجیکشن لگانا ہے۔'' اسی طرح جو بندہ غیبت کرتا ہوگا، دوسروں کے دل جلاتا ہوگا، ایسے شخص کو فرشتے پکڑ کر آگ کے ستون کے ساتھ باندھ دیں گے۔ وہ ایسی آگ ہوگی جو سیدھا ان کے دل کو جلائے گی۔ یہ آگ تیروں کے مانند ہوگی جو سیدھا اس کے دل پر اثر کرے گی:

﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ﴾ (الھمز ۃ:٦،٧)

یہ لوگ دنیا میں عیب گوئی کرتے تھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ان کے دل پر فائر کریں گے۔ یہ وہ آگ ہوگی جو اس کے دل کو جلائے گی۔ یہ آگ عیب جوئی کرنے والوں کی سزا ہوگی۔ جہنمیوں کو مختلف سزاؤں سے گزارا جائے گا۔ جب وہ پاک ہوگا تو اسے کہا جائے گا کہ اب ہم نے تمہارے لیے جنت کے دروازوں کو کھول دیا ہے۔

آج ہی سچی توبہ کرلیں!

ہمیں جہنم میں سزا نہ ہو، اس کا آسان حل یہ ہے کہ ہم دنیا میں ان بیماریوں کا علاج کروائیں اور اس دنیا سے ہی پاک ہو کر جائیں۔ جو بندہ اس دنیا میں گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا راستہ آسان کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں۔ اگر دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا، تو اللہ رب العزت اسے معاف فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ اے اللہ! میں خطا کار ہوں، میں بھولا رہا، میں بھٹکا رہا، اے اللہ! مجھ پر رحمت فرما دیجیے۔ لہٰذا دنیا میں گناہوں سے توبہ کر لینا اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگ لینا ہی اچھا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر ہوگی تو ایک نظر سے تمام باطنی بیماریاں دور ہو جائیں گی۔ بندہ جب نیکوکاری کی زندگی گزارنے کا دل میں ارادہ کرتا ہے، تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ ان خطرناک بیماریوں سے جان چھڑانے

کے لیے ہم اپنے پروردگار کے حضور سچی توبہ کریں اور گناہوں کی معافی مانگیں۔ جب اللہ سے معافی مانگ رہے ہوں تو دل میں یہ بات ہو کہ اے اللہ! آج کے بعد میں گناہ نہیں کروں گا۔شیطان وسوسے ڈالتا ہے کہ میاں! تم فلاں گناہ سے بچ نہیں سکتے، لہٰذا توبہ والی زندگی کیا بسر کرنی؟ یہ محض شیطان کا دھوکہ ہے۔

ایک آدمی بھوک سے بیٹھا ہو اور دوسرا پوچھے: ''میاں! روٹی کیوں نہیں کھاتے؟'' وہ آدمی یہ کہے کہ میں روٹی اس لیے نہیں کھا رہا کہ مجھے پھر بھوک لگے گی۔ دوسرا آدمی کہے گا: ''او عقل کے اندھے! پھر بھوک لگے گی تو پھر روٹی کھا لینا۔'' اس طریق پر تو روٹی کھانا کوئی نہیں چھوڑتا کہ مجھے دوبارہ بھوک لگ گئی تو میرا کیا بنے گا؟ بندہ گناہوں سے توبہ کرتا رہے۔ اگر کبھی بھولے سے خطا ہو جائے تو پھر اللہ سے توبہ کر لے۔ آپ گناہوں سے بچنے کا ارادہ کریں۔ آپ کے لیے گناہوں سے بچنا مشکل ہے، لیکن پروردگار کے لیے بچانا آسان ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ اے اللہ! میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔

؎ غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

جب ہم اللہ سے یوں دعا کریں گے کہ اے اللہ! گناہ کے موقع سے مجھ کو بچا لینا، اے اللہ کریم! میں غافلین کی محفل میں جا رہا ہوں، اے اللہ! مجھے غافلین کی محفل سے واپس کر دے اور مجھے نیکوں کی سنگت عطا فرما دے۔ ایسی دعائیں اللہ سے کریں۔ پھر

دیکھیں! دعاؤں کے اندر کتنی تاثیر ہوتی ہے۔ اگر شیطان پھر گناہ کروائے تو پھر توبہ کریں۔ شیطان بار بار گناہ کروائے تو بار بار توبہ کریں۔

حضرت مفتی حسن رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ اشرفیہ کے بانی تھے۔ وہ ایک عجیب بات لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو کھڑا کریں گے...... اس نے بڑی دفعہ توبہ کی ہوگی اور بڑی دفعہ توڑی ہوگی...... فرشتے کہیں گے: ''اے اللہ! یہ بڑا ہی بے وفا انسان تھا۔ یہ بندہ بار بار توبہ توڑتا رہتا تھا، حتیٰ کہ مرتے دم تک توبہ توڑتا رہا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''یہ میرا وہ بندہ ہے جس کو شیطان بار بار گراتا رہا اور یہ بار بار اٹھ کر کھڑا ہوتا رہا۔ شیطان اس کو گرانے سے باز نہ آیا اور یہ کھڑا ہونے سے باز نہ آیا۔ یہ میرا بندہ ساری زندگی توبہ کرتا رہا۔ آج میں اس بندے کو استقامت والوں میں شامل فرمالوں گا۔

توبہ کریں کیسے؟

توبہ اس طرح کرنی ہے ''اے اللہ! آج کے بعد میں تیرے حکموں کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' اللہ تعالیٰ بہت رحیم ہیں۔ جب بندہ اللہ کے در پر جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو معاف فرما دیتے ہیں۔ کوئی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو؟ لیکن اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ بالآخر اس بندے کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور اپنی رحمت کا اظہار فرما دیتے ہیں۔

سچی توبہ کا واقعہ:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہے۔ ان کے درس میں عورتیں بھی آتی تھیں۔ وہ پردے میں بیٹھ کر درس سنتی تھیں۔ مرد سامنے بیٹھ کر درس سنتے تھے۔ ان عورتوں میں ایک جوان

العمر عورت بھی تھی، وہ بیوہ ہوگئی۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ اس بچے کو جب باپ کا سایہ نہ ملا تو بگڑ گیا۔ مال پیسہ خوب تھا، اس کے چال چلن اچھے نہ تھے۔ برے لڑکوں سے اس کی دوستی تھی۔ جب وہ جوان ہوا تو جلتی پر تیل کا کام ہوگیا، لہٰذا وہ برے کاموں میں لگ گیا۔ جوانی کے کاموں میں دن رات لگا رہتا۔ فرصت نہیں ہوتی تھی۔ کبھی اِس کا مہمان، کبھی اُس کا مہمان۔ اس کی راتیں گناہ کرتے ہوئے گزرتیں اور اس کے دن غفلت میں گزرتے۔ ماں سمجھاتی، مگر بیٹا ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔ وہ کبھی کبھی اس کو اپنے شیخ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لاتی اور کہتی: ''حضرت! آپ اس کو سمجھائیں۔'' حضرت سمجھاتے، نصیحت کرتے، قرآن پڑھاتے، حدیث پڑھاتے، مگر بچے پر اثر نہ ہوتا۔ بچہ چکنے گھڑے کے مانند تھا۔ بار بار ماں سمجھاتی اور بار بار حضرت نے سمجھایا۔ سالہا سال گزر گئے، مگر بچے نے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ کبھی جھوٹ بول جاتا، کبھی دھوکہ دے جاتا، کبھی کہتا: ''ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' لیکن ٹھیک نہ ہوتا، حتی کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ بات آئی کہ شاید یہ شقی اور بدبخت انسان ہے۔ اس پر نہ قرآن کا اثر ہوتا ہے، نہ کسی بات کا اثر ہوتا ہے۔ اس کو سمجھانا تو وقت ضائع کرنا ہے۔ چنانچہ ماں کبھی لے آتی تو حضرت اس کو تھوڑا بہت سمجھا کر فارغ کر دیتے اور کئی مرتبہ کتراتے کہ ماننے والی شکل نہیں ہے، خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوگا۔ مگر ماں تو ماں ہوتی ہے، ماں کو ممتا مجبور کرتی۔ یہ گھر آتا تو ماں پھر سمجھاتی، بیٹا! نیک بن جا، اچھی راہ کو اختیار کرلے۔ مگر بیٹا توجہ نہ کرتا اور ماں کو غمزدہ چھوڑ جاتا۔ ماں اتنی نیک اور بیٹا اتنا برا۔ اسی طرح وقت گزر رہا تھا۔

اللہ کی شان کہ ایک وقت آیا کہ بچہ بیمار ہوگیا اور بیماری طول پکڑ گئی۔ کمزور ہوگیا،

نقاہت آ گئی، جسم کے اندر کمزوری آ گئی۔ اب چار پائی کے اوپر لیٹا ہوا ہے۔ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا۔ ماں اس کی تیمارداری کر رہی ہے۔

ایک دفعہ ماں بیٹھی ہوئی تھی اور پیار پیار میں نصیحت کر رہی تھی ''بیٹا! تو نے جوانی تباہ کر لی، اب زندگی کو تباہ نہ کر، سچی توبہ کر لے۔ اللہ کا بندہ بن جا، اپنی آخرت کو تباہ نہ کر۔ تیری دنیا تباہ ہو گئی۔ بیٹا! میں ماں ہوں، تجھے سمجھا رہی ہوں، تو میری بات کی لاج رکھ لے، میں تیری خیر خواہی کر رہی ہوں۔'' جب ماں نے پیار سے سمجھایا تو بچے کے دل پر اثر ہوا اور کہنے لگا کہ اچھا! میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، مگر مجھے نہیں پتہ کہ میں کیسے توبہ کروں؟ امی! آپ مجھے حسن بصری کے پاس لے چلیں۔ وہ کہنے لگی: ''بیٹا! تو چل کر جا نہیں سکتا، میں عورت ہوں، تجھے اٹھا کر نہیں لے جا سکتی، البتہ میں جاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ وہ آ کر تجھے توبہ کروا دیں۔'' بیٹے نے کہا: ''اچھا! ان کو یہ بھی کہہ دینا کہ مجھے توبہ کروا دیں اور اگر میری موت آ جائے تو میرا جنازہ بھی وہی پڑھا دیں۔'' ماں نے کہا: ''بہت اچھا۔''

چنانچہ ماں چلی گئی۔ خوشی خوشی جا رہی تھی۔ گو بیٹا بیمار تھا، مگر ماں کے دل میں خوشی تھی کہ چلو ''صبح کا بھولا شام کو گھر آیا۔'' حضرت کی خدمت میں پہنچی، عرض کیا: ''حضرت! میرا بیٹا توبہ کرنے کے لیے تیار ہے، آپ تشریف لائیں، بلکہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر مجھے موت آ جائے تو آپ میرا جنازہ پڑھائیں۔''

اس وقت حضرت قیلولہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت نے سوچا کہ یہ خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کرے گا، مجھے پھر درس دینا ہے۔ چنانچہ حضرت نے کہا: ''میں نہیں آؤں گا۔'' وہ کہنے لگی: ''حضرت! اس نے کہا ہے کہ میرا جنازہ بھی حسن بصری پڑھائیں۔'' حضرت نے فرمایا: ''جاؤ! اسے کہہ دو کہ تم نے مجھے اتنا دکھ دیا اور میری بات پر توجہ نہیں کی، میں

تمہارا جنازہ بھی پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ جا! اپنا کام کر۔ وہ عورت وہاں سے اپنے بیٹے کے پاس واپس آگئی۔ بیٹا ماں کی راہ دیکھ رہا تھا۔

جب ماں گھر میں داخل ہوئی تو اس نے پوچھا: ''حسن بصری آگئے؟'' ماں نے کہا: ''بیٹا! تو نے اتنے گناہ کیے، تو نے اتنی نالائقیاں کیں، تو ان کی صحبت میں جاتا تھا، ان کی بات نہیں سنتا تھا۔ وہ بھی تجھ سے خفا ہیں، وہ تیری طرف آنا نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس کے لیے اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے کہا: ''امی! میں نے تو کہا تھا کہ میرا جنازہ بھی وہی پڑھائیں۔'' ماں نے کہا: ''بیٹا! وہ تیرا جنازہ پڑھنے کے لیے بھی آمادہ نہیں ہیں۔''

جب اس لڑکے نے سنا کہ وقت کا ولی میرا جنازہ پڑھنے سے انکار کر رہا ہے، تو اب اس کے دل پر چوٹ لگی کہ میں اتنا گنہگار ہوں کہ میرا جنازہ بھی پڑھنے کے لیے نیک بندے تیار نہیں۔ اب اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے رونا شروع کر دیا اور اپنی ماں سے کہنے لگا: ''امی! میرا آخری وقت قریب ہے۔ میں آپ کو وصیت کرتا ہوں، میری وصیت کو پورا کر دینا۔'' ماں نے پوچھا: ''بیٹا! تمہاری کیا وصیت ہے؟'' اس نے کہا: ''امی! اگر میں مر جاؤں تم اپنا دوپٹہ اتار کر میرے گلے میں ڈال دینا اور میری لاش کو صحن کے اندر گھسیٹنا، تاکہ دنیا والوں کو پتہ چل جائے کہ جو ماں باپ کا نافرمان ہوتا ہے، مردار کی طرح اس کی لاش کو زمین پر گھسیٹا جاتا ہے۔'' اسی حالت میں اس کی زندگی کا چراغ بجھ گیا۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ ماں پوچھتی ہے: ''کون ہے؟'' جواب ملتا ہے، میں حسن بصری ہوں، میں تمہارے بیٹے کا جنازہ پڑھنے آیا ہوں۔ ماں کہتی ہے:

''اس وقت تو آپ نے انکار کر دیا تھا؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں قیلولہ کے لیے لیٹا تو میری آنکھ لگ گئی۔ مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے حسن بصری! آپ میرے ولی کا جنازہ کیوں نہیں پڑھاتے؟'' میں اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے آیا ہوں۔ سچ ہے جو بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا ولی بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی پکی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین!)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

اسلامی طرزِ زندگی

اسلامی طرزِ زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ: ۳)

وَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ."

(بخاری، رقم: ۹)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

صفاتِ الٰہیہ اور ان کا کمال:

اللہ رب العزت اپنی صفات میں کامل ہیں اور بندہ اپنی صفات میں ناقص ہے۔ بندے کا دیکھنا اتنا ناقص کہ یہ دائیں دیکھے تو اسے بائیں نظر نہیں آتا۔ یہ آگے دیکھے تو اسے

پیچھے نظر نہیں آتا۔ یہ اوپر دیکھے تو اسے نیچے نظر نہیں آتا۔ یہ اگر دن کی روشنی میں دیکھے تو اسے رات کے اندھیرے میں نظر نہیں آتا۔ جبکہ اللہ رب العزت کا دیکھنا اتنا کامل ہے کہ کالی رات ہو، کالی چٹان ہو اور اس کے اوپر اگر کوئی کالی چیونٹی چل رہی ہو تو اللہ رب العزت اسے بھی چلتا ہوا دیکھتے ہیں۔ بندے کا سننا اتنا ناقص ہے کہ اگر ٹیلی فون پر کسی سے گفتگو کر رہا ہو اور اسی کمرے میں دو آدمی اور بات کر رہے ہوں تو یہ پریشان ہوتا ہے، اسے کہنا پڑتا ہے کہ ذرا آہستہ بولیں! مجھے بات سمجھ نہیں آرہی ہے۔ جبکہ اللہ رب العزت کا سننا اتنا کامل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے آخری انسان، مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب کے سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور ایک وقت میں سب کے سب اللہ رب العزت سے دعا مانگیں تو وہ پروردگار اس پر قادر ہے کہ ان سب کی علیحدہ علیحدہ دعا کو سن لے اور اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ اگر ان لوگوں کو ان کی مرضی کے مطابق وہ عطا بھی کر دے، ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کے مطابق ان کی جھولیوں کو بھی بھر دے، تو اللہ رب العزت کے خزانے میں اتنی بھی کمی نہیں آتی جتنا سوئی سمندر میں ڈبو کر نکالیں تو سمندر کے پانی میں کمی آجاتی ہے۔

خود ہی حامد خود ہی محمود:

اس پروردگار نے قرآن مجید میں اپنی تعریف خود بیان فرمائی۔ خود ہی حامد اور خود ہی محمود ہے۔ فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ﴾ (لقمان:۲۷)

''پوری دنیا میں جتنے بھی درخت ہیں، اگر ان سب کی قلمیں بنائی جائیں اور جتنا ساری

دنیا کے سمندروں کا پانی ہے، ایسے سات سمندر اور بھی ہوتے، (اتنی سیاہی اور اتنی قلموں سے) تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں تو ایک وقت آتا کہ یہ قلمیں ٹوٹ جاتیں اور یہ سیاہی ختم ہو جاتی، مگر تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ، اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.''

(ترمذی، رقم:۴۳۱۵)

''اے پروردگار! میں تیری تعریفوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو ایسے ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریفیں خود آپ بیان فرمائی ہیں۔''

وہ پروردگار ہماری سوچ سے بلند و بالا ہے اور ہماری عبادتیں اس کی شان کی سطح سے نیچے رہ جاتی ہیں۔

''وَھُوَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ''

مسلمان کسے کہتے ہیں؟

اس ربِ کریم نے اپنے بندوں کے لیے جس طریقۂ زندگی کو پسند کیا، اس کا نام ''اسلام'' رکھا گیا۔ مسلمان اس بندے کو کہتے ہیں جو اپنے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور پورے کا پورا اسلامتی میں داخل ہو جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''تم پورے کے پورے سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔''

انگلش میں اسے کہتے ہیں ''سرنڈر کرنا'' یعنی کسی کے سامنے ہتھیار ڈال دینا، جھک جانا۔ مسلمان اس بندے کو کہتے ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے جھک جاتا ہے۔

جسمِ انسانی میں روح کی اہمیت:

اللہ رب العزت نے انسان کو مختلف اعضا سے بنایا ہے: آنکھ، زبان، کان، دل دماغ، ہاتھ، پاؤں، یہ سب جسم کے اعضا ہیں۔ اگر ہم ان کو دیکھیں تو یہ اپنی صفات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثال کے طور پر آنکھ بینا ہے، لیکن باقی پورا جسم نابینا ہے۔ اسی طرح کان سن سکتے، باقی پورا جسم سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ہر ہر عضو اپنی صلاحیت وخاصیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں، لیکن اللہ رب العزت نے ان ضدین کے مجموعہ میں ایک ایسی چیز کو اتار دیا جو ان سب اعضا کو ایک بنا دیتی ہے اور اس کا نام روح ہے۔ جب تک جسم میں روح موجود ہے، یہ سب اعضا ایک بن کر کام کریں گے۔ انسان کے سر میں درد محسوس ہوگا تو پاؤں کبھی نہیں کہیں گے کہ میں تو ڈاکٹر کے پاس چل کر نہیں جاسکتا، یہ میرا پرابلم نہیں، یہ تو سر کا پرابلم ہے۔ اگر پاؤں پر زخم ہوا تو آنکھ میں سے آنسو آئے گا، آنکھ کبھی نہیں کہے گی: ''یہ پاؤں کی مشکل تھی۔'' اگر کسی وجہ سے ہاتھ میں زخم ہوا اور درد ہے تو رات کو آنکھ نہیں سوئے گی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ میرا پرابلم نہیں ہے۔ اس لیے کہ روح کی موجوگی میں پورے جسم کی خوشی بھی ایک ہے اور پورے جسم کا غم بھی ایک ہے۔ یہ سب اعضا ایک جسم کے مانند ہیں، روح نے ان ضدین کے مجموعہ کو ایک بنا دیا اور یہ ایک بن کر کام کرتے رہتے ہیں۔ اگر دشمن کسی کے سر پر وار کرنا چاہے گا تو پاؤں بھاگیں گے جان بچانے کے لیے، ہاتھ اٹھیں گے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے، اس لیے کہ سب اعضا ایک ہیں۔

گھریلو زندگی میں دین کی اہمیت:

اگر ہم اس مثال کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں اور اپنے آپ پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتہ

چلے گا، کہ ہمارا گھر بھی ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو اپنی حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ باپ کی گھر میں ایک حیثیت ہے، کوئی دوسرا یہ حیثیت نہیں لے سکتا۔ باپ باپ ہے، بیٹا بیٹا ہے، بھائی بھائی ہے، بہن بہن ہے اور ماں ماں ہے۔ ہر ہر بندے کی ایک شناخت ہے۔ اس کا اپنا ایک مقام ہے اور ایک کا مقام دوسرا نہیں لے سکتا۔ گویا یہ بھی اپنی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ اللہ رب العزت نے ان افراد کے مجموعہ میں بھی ایک نعمت کو اتارا کہ اس نعمت کی موجودگی میں اسی طرح یہ افراد ایک بن کر کام کرتے ہیں۔ جس طرح روح کی موجودگی میں جسم کے اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں اور اس نعمت کا نام ''اسلام'' ہے۔ جب تک دین گھر میں زندہ رہے گا اس وقت تک تمام افراد کے دل ملے رہیں گے، محبتیں رہیں گی، الفتیں رہیں گی۔ سب لوگوں کا غم بھی ایک ہوگا اور سب کی خوشیاں بھی ایک ہوں گی۔ اگر انسان کے جسم سے روح کو نکال لیا جائے اور پھر اس کی زبان کھینچ کر آپ اس کو قینچی سے کاٹ دیں تو اب اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ اب اس کے جسم سے روح نکل گئی۔ اسی طرح اگر کسی گھرانے سے دین کو نکال دیا جائے تو گھر کے سب لوگ ایک دوسرے سے اجنبی بن جائیں گے۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج ہر دوسرا شخص رونا روتا ہے کہ جی! بچوں کی ایک دوسرے کے ساتھ بنتی نہیں۔ جی! بچے پڑھے لکھے ہیں، سب کے سب افلاطون بنے ہوئے ہیں۔ بچے ماں باپ سے نالاں ہیں، ماں باپ بچوں کی شکایت کرتے ہیں۔ وہ الفتیں، محبتیں نظر نہیں آتیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے بیٹا اپنے باپ سے کئی کئی مہینے بات نہیں کرتا، ماں اپنی بیٹی سے بات نہیں کرتی۔ گھر کے افراد جو ایک جسم کے مانند تھے، ان کے جسم اتنے قریب ہوتے ہیں اور دل اتنے دور ہوا کرتے ہیں۔ دنیا جس کو میاں بیوی کہتی ہے، وہ دیکھنے میں ایک دوسرے کے شریکِ حیات

ہیں، مگر ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان دونوں کے دلوں میں بسا اوقات ایک دوسرے کی نفرتیں بھری ہوتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زندگیوں سے دین نکل چکا ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید ہمیں یہ سکھاتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾

(مریم:۹۶)

"بے شک جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے، اللہ رب العزت ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیں گے۔"

یعنی اس میں مودت اور الفت کو پیدا فرما دیں گے۔

اگر ایک آدمی کے جسم سے روح نکال دی جائے، منہ کو کس کر باندھ دیا جائے اور اس کی ناک کے ذریعے پورے جسم میں ہوا داخل کر دی جائے تو کیا وہ زندہ رہے گا؟ نہیں! اسی طرح اگر کسی کے گھر کے اندر سے دین نکال لیا جائے اور کسی ازم کو داخل کر دیا جائے یا کسی انسان کے بنائے ہوئے طریقۂ زندگی کو شامل کر لیا جائے تو کیا اس گھر میں افراد میں محبتیں پیدا ہو جائیں گی؟ کبھی پیدا نہیں ہو سکتیں۔ یہ دین ہے جو دلوں میں محبتیں پیدا کرتا ہے۔

دو دلوں کو ملانے والا مرکب:

آپ ذرا غور کیجیے کہ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں دو چیزوں کو ملانے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز بنائی ہے۔ کاغذ کے دو ٹکڑوں کو ملانا ہو اور آپ گلو استعمال کریں تو ایک بن جائیں گے، یک جان ہو جائیں گے۔ کپڑے کے دو ٹکڑوں کو ملانا ہو تو وہ گلو کام نہیں آئے گی، آپ سوئی دھاگہ سے دو ٹکڑوں کو ایک بنا سکتے ہیں۔ اگر لکڑی کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو وہاں سوئی دھاگہ بھی کام نہیں آئے گا، آپ اس کے لیے کیل استعمال کریں گے تو یک جان ہو

جائیں گے۔ اگر اینٹ کے دوٹکڑوں کو ملانا ہوتو وہاں کیل بھی کام نہیں آئے گا، وہاں سیمنٹ اپلائی کریں گے تو وہ ٹکڑے ایک بن جائیں گے۔ اب ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ دو انسانوں کے دلوں کو ملانے والی کیا چیز ہے؟ وہ کون سا Joining Compound (ملانے والا مرکب) ہے، جو دو انسانوں کے دلوں کو ایک بنا دیتا ہے؟ اس کا نام ''دین'' ہے۔ جب وہ دونوں بندے دین دار، متقی اور پرہیزگار بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ایک بنا دیں گے۔ سچے پروردگار نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾

(مریم:۹۶)

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ (الانفال:۶۳)

''اے میرے محبوب! اگر آپ زمین کے سب خزانے خرچ کر دیں تو آپ ان کے دلوں میں محبتیں پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ تو اللہ نے ان کے دلوں میں محبتیں پیدا فرما دی ہیں۔''

ان کو ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' بنا دیا ہے۔ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں، ان کے اندر یہ الفتیں دین کی وجہ سے ہیں۔ ع

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار کی ایک روشن مثال:

آج ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی الفت و محبت کی مثالیں پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔ ایثار کی وہ مثالیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے تاریخ کے اندر رقم کرا دیں،

انسانیت اس کے بعد کبھی پیش نہیں کرسکتی۔

جنگِ یرموک میں ایک فوجی نے کہا: ''اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ!'' ''پیاس پیاس!'' دوسرے فوجی پانی لے کر آئے، اتنے میں ایک اور فوجی نے کہا: ''اَلْعَطَشُ'' انہوں نے اسے اشارہ سے اس کی طرف بھیج دیا۔ جب ان کو پلانے لگے تو تیسرے نے کہا: ''اَلْعَطَشُ'' انہوں نے آنکھ کے اشارہ سے ادھر بھیج دیا۔ تیسرے کے پاس گئے تو جانے سے پہلے ان کی روح پرواز کرگئی، پھر یہ دوسرے کے پاس گئے، ان کی روح بھی پرواز کرگئی اور جب پہلے کے پاس آئے تو ان کی بھی روح پرواز کرگئی تھی۔ (البدایۃ والنھایۃ: ۷/ ۱۹۹)

آپ اندازہ لگائیے کہ زندگی کے آخری لمحے میں وہ اپنے اوپر بھائی کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ دینِ اسلام کی برکتیں ہیں۔

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا قابلِ رشک ایثار:

ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک شیخِ طریقت گزرے ہیں۔ ان سے وقت کے بادشاہ نے اپنی مرضی کے مطابق ایک فتویٰ پوچھا، مگر انہوں نے فتویٰ دینے سے انکار کردیا۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ تین چار اور ساتھیوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور غصہ میں کہا کہ ان کا سر قلم کردیا جائے۔ اب ان چاروں کو پکڑ کر پیش کیا گیا۔ جب حاکمِ وقت نے دیکھا تو اس کا جی چاہا کہ ابوالحسن نوری کو قتل نہ کیا جائے، مگر ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ جلاد کے بالکل پاس کھڑے تھے۔ اس نے حیلے بہانے سے کہا کہ یہ جگہ مناسب نہیں، ان کو فلاں جگہ پر قتل کرو۔ جب دوسری جگہ دیکھا تو ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ پھر جلاد کے قریب کھڑے ہیں۔ وہ بڑا حیران ہوا، اس نے ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر پوچھا: ''بتائیے! پہلے بھی آپ جلاد کے قریب کھڑے تھے اور جب پوزیشن بدلی گئی تو پھر بھی آپ جلاد کے قریب

کھڑے ہوئے ہیں۔ آخر وجہ کیا ہے؟'' تو انہوں نے کہا کہ میں اس لیے جلاد کے قریب کھڑا ہوا کہ جتنی دیر جلاد کو مجھے قتل کرنے میں لگے گی میرے دوسرے بھائیوں کو اتنی دیر اور زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا۔ یہ الفتیں ہوتی تھیں، یہ محبتیں ہوتی تھیں، دوسرے کو یوں اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے تھے۔

ایک ماں کی اولاد:

اس وقت امن وامان اتنا تھا کہ یمن سے ایک عورت چلتی ہے اور ہزاروں میل کا سفر کر کے مدینہ پہنچتی ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ تو نے سفر کیوں کیا؟ اس نے اپنا عذر بیان کیا۔ پھر آپ نے پوچھا: ''بتا! تو نے درمیان میں لوگوں کو کیسے پایا؟ اپنا مشاہدہ مجھے بتا!'' عورت کہنے لگی: ''مجھے اپنی عزت کا بھی خوف تھا، مجھے اپنے مال کا بھی خوف تھا، مجھے اپنی زندگی کا بھی خوف تھا، لیکن میں نے صبر کیا، کبھی شہروں میں، کبھی ویرانوں میں، کبھی قصبوں دیہاتوں میں، میں نے یمن سے لے کر مدینہ تک کا سفر کیا اور میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اس پورے راستے کے اندر ایک ماں کی اولاد بستی ہے۔'' دینِ اسلام نے یوں دلوں کو اکٹھا کر دیا تھا اور محبتیں پیدا کر دی تھیں۔ آج آپ یورپ، امریکہ اور افریقہ کا سفر کر کے دیکھیے! ان کے پاس مادی اعتبار سے زندگی کی ہر سہولت موجود ہے، مگر ان کے دل سکون سے خالی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلوں میں محبتیں اور الفتیں نہیں ہیں۔

دنیا کا ایک انوکھا مقدمہ:

''کونیکٹی کٹ'' امریکہ کی ایک ریاست ہے۔ اس ریاست میں ماں نے اپنے جوان العمر بیٹے پر مقدمہ کیا۔ مقدمہ کی تفصیل میڈیا کے اندر شائع ہوتی رہی، ٹی وی اور

اخباروں کی زینت بھی بنا۔ مقدمہ کیا تھا؟ ماں نے مقدمہ درج کروایا کہ میرا خاوند فوت ہو چکا ہے، میرا اکلوتا بیٹا ہے، جوان العمر ہے، میں اسی کے ساتھ گھر میں رہتی ہوں، اس نے کتا پالا ہوا ہے، یہ روزانہ تین گھنٹے اپنے کتے کے ساتھ گزارتا ہے۔ میں ماں ہوں، میں تڑپتی ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ یہ پانچ منٹ کے لیے میرے کمرے میں بھی آ جائے، لیکن یہ میرے کمرے میں نہیں آتا۔ براہِ مہربانی اس کو پانچ منٹ کے لیے میرے پاس بیٹھنے کا حکم دیا جائے۔ ماں وقت کی عدالت سے فریاد کر رہی ہے کہ میرا بیٹا کتے کے ساتھ تین گھنٹے گزارتا ہے اور ماں کے لیے اس کے پاس پانچ منٹ بھی نہیں ہیں۔ بیٹے نے بھی مقدمہ لڑا اور ماں نے بھی مقدمہ لڑا۔ بالآخر نتیجہ کیا نکلا کہ مقامی قوانین کے مطابق جج نے فیصلہ دیا کہ چونکہ کتا بچے نے خود پالا ہے، اس لیے کتا اس کی liablity (ذمہ داری) ہے۔ چنانچہ کتے کی ضروریات کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری ہے، تین گھنٹے لگیں، پانچ گھنٹے لگیں، یا سارا دن لگے۔ لیکن چونکہ بچے کی عمر اٹھارہ سال سے اوپر ہو چکی ہے، اس لیے اب ماں اس کے لیے liablity نہیں ہے۔

اب بتائیے! کیا اس ماں کو کبھی سکون مل سکتا ہے، جس کو کہہ دیا جائے کہ تیرے بیٹے پر اب تیرا حق نہیں ہے؟ جس ماں نے جنم دیا، جس ماں نے پالا، جس ماں نے محبتوں کے ذریعہ گود میں لے کر سینے کا دودھ پلایا، اب اس ماں کا بچے پر کوئی حق تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ماں جو پہلے بچے کو پلایا کرتی تھی خود بعد میں پیتی تھی، پہلے بچے کو کھلاتی تھی خود بعد میں کھاتی تھی، پہلے بچے کو سلاتی تھی خود بعد میں سوتی تھی، جس نے اپنی جوانی کو بھلا کر دن رات ایک کر دیے، آج وہ ماں جب ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی، جب اس کو محبتوں کی ضرورت ہے، جب اس کو خدمت کی ضرورت ہے، جب اس کو اپنے بیٹے کی ضرورت ہے، آج اس ماں کو کہا جاتا ہے کہ تیرا بیٹے پر کوئی حق نہیں ہے، تو زندگیوں میں کیسے سکون آئے گا؟

مغربی اور مشرقی معاشرے میں بیٹی کا مقام:

بیٹی اپنے باپ کے گھر میں رہتی ہے تو وہاں اس کو رہنے کے لیے گھر کا کرایہ دینا پڑتا ہے، اگر ہر مہینے گھر کا کرایہ نہیں دیتی تو باپ اپنی بیٹی کو نکال کر کسی دوسرے کو کرایہ دار رکھ لیتا ہے۔

آیئے! ہمارے اس مشرقی ماحول میں، جہاں ہم اپنے آپ کو گیا گزرا مسلمان سمجھتے ہیں۔ آج بھی دیکھیے! اسلام کی برکتیں ہمیں آنکھوں کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ کبھی کسی کے ہاں جب باپ بیٹی کو رخصت کر رہا ہوتا ہے تو ذرا جا کر منظر دیکھا کریں کہ اس وقت باپ کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں اور ماں کی آنکھوں میں بھی آنسو ہوتے ہیں۔ باپ ساری زندگی کی کمائی اپنی بیٹی کو جہیز میں دیتا ہے اور پھر یہی سمجھتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔ بھائی علیحدہ کونے میں کھڑا رو رہا ہوتا ہے، بہن علیحدہ رو رہی ہوتی ہے۔ ماں باپ کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی برسات برس رہی ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی کا جگر گوشہ جدا ہو رہا ہوتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ کہ ایک جگہ پر رخصتی کے وقت جب دلہن کے ماں باپ رو رہے تھے تو یہ منظر دیکھ کر دلہا میاں کی آنکھوں میں سے بھی آنسو آ گئے۔ یہ محبتیں فقط اسلام کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونے والوں میں نظر آتی ہیں۔

خوفِ خدا ہو تو ایسا:

امریکہ میں ہمارے ایک دوست عالمِ دین ہیں۔ وہاں پر اجازت ہے کہ کوئی بھی آدمی اتوار کے دن جیل کے اندر جائے اور دین کے بارے میں تبلیغ کرے۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ بتایئے! کبھی کسی قیدی کی زندگی میں کوئی تبدیلی بھی آئی؟ وہ کہنے لگے: ''ایک قیدی آیا، میں نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت رکھی۔ اللہ رب العزت نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی اور میرا اس کے ساتھ

دوستانہ ہوگیا۔ چھ مہینے کے اندر میں نے اسے نماز سکھائی، آخرت کے بارے میں بتایا، دین کے بارے میں بتایا، حتی کہ ہماری آپس میں اتنی محبت ہوگئی کہ ہم ذاتی باتیں بھی ایک دوسرے سے شیئر کرنے لگے۔ دل کی باتیں ایک دوسرے کو بتانے لگے، دل کی باتیں ایک دوسرے کے سامنے کھولنے لگے۔

ایک دن بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے سوال پوچھا: ''تم اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد اپنی زندگی میں کیا تبدیلی محسوس کرتے ہو؟'' میری یہ بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ میرے قریب ہوگیا اور میرے قریب ہوکر اس نے کہا کہ بات سنیں! اسلام لانے سے پہلے میں ایک خونخوار آدمی تھا۔ مجھے لوگوں کو قتل کرنے میں مزا آتا تھا۔ میں مزا لینے کی خاطر لوگوں کو قتل کرتا تھا، لیکن اب جب میں نے اسلام کو قبول کرلیا اور میرے دل میں قیامت کا تصور بیٹھا، تو اب میرے دل میں خوفِ خدا کی یہ حالت ہے کہ اس وقت اگر میں کمرے سے باہر نکلتا ہوں تو میں اس بات کا بھی خیال رکھتا ہوں کہ میرے پاؤں کے نیچے کہیں چیونٹی بھی نہ آنے پائے۔ یہ اسلام کی برکات ہیں۔ جب دل میں اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونے کا یقین ہو تو انسان دنیا میں گناہوں سے بچتا ہے اور اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ پھر ایسے بندے کو جنت کی بشارت بھی سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى﴾ (النازعات: ۴۱،۴۰)

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ﴾ (الرحمن: ۴۶)

مؤمن سب کا خیر خواہ ہوتا ہے:

ایک بات یاد رکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ." (مسلم:۸۲)

"دین سراسر خیر خواہی ہے۔"

مؤمن ہمیشہ خیر خواہ ہوتا ہے۔ اپنی خیر خواہی، گھر والوں کی خیر خواہی، اہلِ محلہ کی خیر خواہی، وہ سب کا خیر خواہ ہوتا ہے اور جب کوئی مسلمان دوسرے کا بدخواہ بن جاتا ہے تو پھر سمجھ لیجیے کہ دین داری کے پرخچے اڑ گئے۔

نبیء رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خیر خواہی:

مؤمن خیر خواہ ہوتا ہے اور اسکی سوچ ہر حال میں مثبت ہوتی ہے۔ یہ سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے چلی۔ وہ اس طرح کہ طائف کے اندر بچوں نے اتنے پتھر مارے کہ نعلین مبارک آپ کے مبارک خون کے ساتھ تر ہو گئے، تو اس وقت فرشتے آئے کہ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اگر اجازت دیں تو ہم پہاڑوں کو ٹکرا کر اس بستی والوں کا نام ونشان ختم کر کے رکھ دیں؟ تو ارشاد فرمایا: "اگر یہ لوگ نہیں پہچان سکے تو ممکن ہے کہ ان کی اولادوں میں سے کوئی ایسا ہو جو ایمان لانے والا بن جائے۔" (بخاری شریف:۳۰۵۹)

اس کو کہتے ہیں مثبت سوچ۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ جس بندے کو یہ نعمت نصیب ہو گئی، اس کی زندگی میں ڈپریشن نہیں ہو سکتا۔ آج لوگ سونے کے لیے کیوں گولیاں کھاتے ہیں؟ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اس لیے کہ سکون نہیں، مثبت سوچ نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے ٹینشن ہوتی ہے اور وہ نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور خیر خواہی:

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، دریا کا سفر کرنا پڑا...... دریائے نیل کا پھیلاؤ کافی ہے توکشتی کو عبور کرنے میں خاصا وقت لگتا ہے۔ اس عاجز کو بھی یہ دریا دیکھنے کا موقع ملا...... جب وہ دریا کے بالکل درمیان میں تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک اور کشتی پر کچھ نوجوان مرد اور عورتیں سوار ہیں اور وہ کھا پی رہے ہیں، قہقہے لگا رہے ہیں اور کچھ گا بجا رہے ہیں۔ محسوس یہ ہوتا تھا کہ یہ غافل لوگ ہیں اور دریا کے اندر بھی اللہ رب العزت کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ جب کشتی کے سوار لوگوں نے ان کو دیکھا تو انہیں بہت غصہ آیا۔ وہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے: ''حضرت! ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کشتی کو ہی غرق کر دے، یہ دریا میں آکر بھی خدا کا خوف نہیں کھاتے۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔ جب ان کو زیادہ مجبور کیا گیا تو حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا مانگی ''اے اللہ! جیسے تو نے اپنے ان بندوں کو دنیا کی خوشیاں عطا کی ہیں، ان کو آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرما۔''

اب آخرت کی خوشیاں تو تب ملیں گی جب نیک بنیں گے۔ تو دیکھیے! کتنی اچھی دعا دی کہ پروردگار! جیسے دنیا کی خوشیاں عطا کیں ان کو آخرت کی بھی خوشیاں عطا فرما دے۔ یہ ہوتی ہے مثبت سوچ۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور خیر خواہی:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ دریا کا سفر کر رہے تھے اور انہوں نے حلق کروایا ہوا تھا۔ یعنی بال استرے سے صاف کروائے

ہوئے تھے۔اب ایک بچے نے قریب آ کر جب آپ کے سر پر ہاتھ لگایا تو اسے وہ نرم نرم لگا۔اس کے بعد دوسرا بچہ آیا، اس نے بھی سر پر ہاتھ پھیرا، ان میں سے ایک بڑے بچے نے ٹھونگا بھی لگا دیا۔ بڑے لوگ ہنسنے لگے۔تھوڑی دیر کے اندر عجیب طوفان بدتمیزی برپا ہوا کہ اب بچے باری باری آ رہے ہیں اور آپ کے سر میں ٹھونگا لگائے جا رہے ہیں، مگر اللہ کے برگزیدہ بندے اپنے اللہ کی یاد میں بیٹھے ہوئے ہیں...... جب کسی اللہ والے کی بے ادبی ہو تو پھر پروردگار کو جلال آتا ہے۔ جب دوست کو تکلیف پہنچے تو پھر دوست کو غصہ آتا ہے...... اللہ رب العزت کو بھی یہ دیکھ کر جلال آیا اور ان کے دل میں یہ بات القا ہوئی ''اے علی ہجویری! اگر تو ہاتھ اٹھائے اور دعا کرے تو ہم اس کشتی کو اُلٹ دیں اور یہ سارے کے سارے جو اس وقت آپ کو پریشان کرنے میں مشغول ہیں ان کو غرق کر دیں۔'' جب دل کی یہ کیفیت بنی تو علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی ''اے اللہ! اگر آپ اُلٹنا ہی چاہتے ہیں تو کشتی میں جتنے بھی لوگ ہیں ان کے دلوں کی کشتی کو اُلٹ ڈالیے!'' حضرت کی اس دعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کشتی میں سوار مرد عورت بچے وہ سب کے سب اس حال میں مرے کہ اللہ نے ان کو ولایت کا مقام عطا فرما دیا تھا۔ یہ ہوتی ہے مثبت سوچ۔

ماں اپنے مقام کو پہچانے:

آج تو ماں اپنے بیٹے کو گالیاں دے رہی ہوتی ہے۔اس ماں کو پتہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ماں کو وہ مرتبہ دیا کہ جب اس کی زبان سے کوئی الفاظ نکلتے ہیں تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کی دعا کو اللہ کے حضور پیش کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ دین کی تعلیم نہیں، تربیت نہیں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھ کر انگریزی تعلیم پائی،

مگر دین سے نا آشنا رہی، اب یہ بچی ماں بن گئی، مگر ماں کے رتبے سے ناواقف ہے۔ اپنے بچے کو بددعائیں دینا شروع کر دیتی ہے۔ ہم اپنوں سے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں، الجھنا شروع کر دیتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے اندر دین کی پوری سمجھ نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر خواہی کا مقام:

دیکھیے! نمل چیونٹی کو کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں چیونٹیاں بھی پھر رہی تھیں۔ ایک چیونٹی نے محسوس کر لیا کہ لشکر آرہا ہے تو اس نے باقی چیونٹیوں کو بتایا کہ تم بلوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ لشکر والے تمہیں روند کے ہی چلے جائیں۔ تو چیونٹیاں اپنی بلوں میں گھس گئیں۔ اس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کی خیر خواہی کی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ اس واقعہ کا تذکرہ قرآن میں کیا اور قرآن میں ایک سورت کا نام چیونٹی کے نام پر ''النمل'' رکھا گیا۔ اگر ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں کی خیر خواہی کرتی ہے اور پروردگار کو اتنی اچھی لگتی ہے، تو جب ایک انسان دوسرے کا خیر خواہ بنے گا تو پروردگار کو وہ کتنا پیارا لگے گا!؟ اس لیے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ (الرعد:۱۷)

''اور جو دوسرے انسانوں کی نفع رسائی کے لیے زندگی گزارتا ہے، اللہ رب العزت اس کے قدموں کو دنیا میں جما دیا کرتے ہیں۔''

ایک سبق آموز حکایت:

اس عاجز کو لڑکپن کے زمانے میں ایک دیہات میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک کھیت کے اندر گوبر کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے، چونکہ شہر سے گئے تھے، اس لیے ہمیں

یہ عجیب سی بات لگی کہ انہوں نے اس کھیت کے اندر گندگی کے ڈھیر لگائے ہوئے ہیں۔ اگلے دن دیکھا تو ایک کسان اس گندگی کو پورے کھیت میں پھیلا رہا تھا، تو اور عجیب بات لگی۔ جب تیسرے دن دیکھا تو وہ اس کے اندر کچھ بیج وغیرہ ڈال کر پانی لگا رہا تھا۔ بالآخر میں رہ نہ سکا اور اس دیہاتی سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟...... اس عاجز کی عمر چھوٹی تھی تو سمجھ بھی چھوٹی تھی، اس لیے پوچھا کہ جی! یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: ''میں نے یہاں فصل کاشت کرنی ہے، اس لیے میں نے یہاں پر گندگی کو پھیلا دیا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''یہ تو نجاست ہے، اسے کیوں پھیلایا ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''اس کے اندر غذائیت ہوتی ہے کہ جب اس کو کسی کھیت میں ڈال دیا جائے تو اس کھیت کی کھیتی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہم اس گوبر اور نجاست کو کھیتوں کے اندر ڈالتے ہیں۔

اس وقت یہ بات پوری طرح سمجھ میں تو نہ آئی، لیکن آج جب اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو پھر بات سمجھ میں آتی ہے کہ اے انسان! جب کسی نجاست اور گوبر کو کھیتی میں ڈالا گیا تو اس نے ساتھ والی کھیتی کو بھی فائدہ پہنچا دیا۔ تو انسان ہو کر بھی اپنے پڑوسی اور اپنے ساتھی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا، پھر تُو تو نجاست اور گوبر سے بھی گیا گزرا بن گیا۔

دین کی سمجھ اور اس کے فائدے:

اللہ رب العزت جب دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں تو پھر انسان کی طبیعت میں حلم آجاتا ہے، عفو و درگزر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہم بھائی ہیں، ہم ایک ہیں، ہم نے ایک پروردگار پر ایمان قبول کیا، ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہیں، ہمارا قرآن ایک ہے، کعبہ ایک ہے، تعلیمات ایک ہیں اور ہم سب نے ایک بن کر زندگی گزارنی ہے۔ اس طرح معاشرے کے اندر محبتیں اور الفتیں بڑھتی ہیں۔

دورِ حاضر میں مسلمان کی حیثیت:

مجھے ایک مرتبہ ہیمبرگ (جرمنی) جانا ہوا۔ ایک دوست کے ہاں قیام تھا۔ ان کا گھر مسجد سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ آبادی بہت خوب صورت تھی۔ میں نے اس سے کہا: ''خدا کے بندے! آپ مسجد کے قریب گھر لے لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا، ایک گھنٹہ کی مسافت پر جو گھر لیا تو پانچ نمازوں میں جانا مشکل ہے، دن میں ایک مرتبہ جا سکتے ہیں۔'' وہ کہنے لگا: ''جی! یہاں بڑے اسٹیٹس (مرتبے) والے لوگ رہتے ہیں۔ میں ایک کمپنی کا اسٹیشن منیجر ہوں، میری تنخواہ بہت اچھی ہے۔ میں نے آج سے پینتیس سال پہلے یہاں مکان لے لیا تھا۔ آج اگر کوئی مسلمان مکان لینا چاہے تو یہاں کی آبادی کے جرمن لوگ اس کو مکان دینا بھی پسند نہیں کرتے۔'' میں نے پوچھا: ''اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگا: ''وہ کہتے ہیں کہ ان کو زندگی گزارنے کا طریقہ نہیں آتا۔ پڑوسیوں کے آداب کا خیال نہیں کرتے، یہ دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے اور جہاں ہوتے ہیں ان کا گھر گندگی کا ڈھیر بنا ہوا ہوتا ہے، اس لیے ان کو اپنی آبادی میں جگہ ہی نہ دو۔

ماضی میں مسلمان کی حیثیت:

میں نے اس پر اس سے کہا: ''میاں! ہماری بے عملی کی وجہ سے آج لوگوں نے ہمارے بارے میں یہ سوچنا شروع کر دیا ہے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے اس وقت ہمارا مقام ہی کچھ اور تھا۔

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اس یہودی نے اپنا مکان بیچنا چاہا۔ ایک آدمی خریدنے کے لیے آیا اور پوچھا: ''مکان کی قیمت کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''دس ہزار دینار ہے۔'' وہ آدمی بڑا

حیران ہوا۔ کہنے لگا: ''اس جیسے مکان کی قیمت زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار دینار ہوسکتی ہے۔'' یہودی نے کہا: ''تم نے صحیح کہا، مکان کی قیمت پانچ ہزار دینار ہی ہے اور باقی پانچ ہزار دینار عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس کی قیمت ہے۔''

لمحہ فکریہ:

جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہمارے ساتھ والے مکان کی قیمتوں میں اضافہ ہو جایا کرتا تھا۔ آج تو سب لوگ گھروں میں ایک دوسرے کے بارے میں (منفی سوچ) Negative thinking رکھتے تھے۔

......بیوی، میاں کے بارے میں منفی سوچ رکھتی ہے۔

......میاں، بیوی کی خامیاں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

......بہن، بہن کے بارے میں منفی سوچ رکھتی ہے۔

ایسی صورت میں زندگی میں سکون کیسے ہوگا؟ اللہ رب العزت نے ہمیں بالکل محبت اور پیار سے رہنے کا حکم دیا ہے۔ آج سوچیے! ہم اپنی حقیقت سے کتنا دور ہو کر زندگی گزارتے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.'' (بخاری، رقم:۹)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے انسان سلامتی میں رہیں۔''

ہوس بھری نگاہیں:

آج ہمارے ہاتھوں سے دوسروں کی عزتیں محفوظ نہیں اور ہماری زبانوں پہ دوسروں کی غیبتیں ہوا کرتی ہیں۔ مسلمان معاشرے میں نوجوان اپنے گھر سے نکلتا ہے اور بازار میں چلتے ہوئے راستے میں آنے والی خواتین کے اوپر اس کی نظر اس طرح پڑتی ہے جس طرح کہ

شکاری کتے کی نظر پڑ رہی ہوتی ہے۔ جیسے شکاری کتا راستے میں چلتے ہوئے ہر جھاڑی اور ہر درخت کو سونگھتا ہے، ہر جگہ منہ مارتا ہے۔ اسی طرح آج کا نوجوان ہر گزرنے والی خاتون کو سر سے لے کر پاؤں تک ہوس کے ساتھ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اب بتائیے کہ دل کے اندر مسلمانوں کی عزتوں کا کیا معاملہ بنا؟ وہ بھی تو ایک وقت تھا جب ایک مسلمان عورت نے کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہوتے وقت کہا تھا کہ ہے کوئی میری عزت کو بچانے والا؟ ہے کوئی مجھے کافروں کے ہاتھ سے چھڑانے والا؟ اور کسی نے یہ الفاظ حجاج بن یوسف کو جا کر بتلائے کہ راجہ داہر کے ڈاکوؤں نے مسلمان قافلے کو لوٹا اور ایک خاتون نے کہا کہ کوئی ہے میری عزت کی حفاظت کرنے والا؟ تو اس نے محمد بن قاسم کو بلایا اور کہا کہ میری فوج اس وقت مختلف محاذوں پر مصروف ہے، میں فوج نہیں دے سکتا، مگر تم اس کا کوئی حل کر سکتے ہو؟ اس نے کہا: ''میں اس کے لیے حاضر ہوں'' لہٰذا اس نے نوجوانوں کو اکٹھا کیا...... یہ کوئی تربیت یافتہ فوجی نہیں تھے، مگر ان کے اندر غیرت تھی، شرم تھی، ایمان تھا، عظمت و استقامت تھی...... چنانچہ انہوں نے جب یہ سنا کہ ہماری بہن کفار کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے تو کہنے لگے: ''ہم جان دینے کے لیے تیار ہیں۔'' چنانچہ سب کے سب چل پڑے۔ انھوں نے راجہ داہر پر حملہ کیا اور بالآخر وہ وقت آیا کہ جب اس نے ان مسلمان خواتین کو رہا کروالیا۔

(فتوح البلدان، البدایہ والنہایہ)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم پر اس بات کا اتنا غلبہ تھا کہ جب سفر کے لیے جا رہا تھا تو وہ بیٹھا بیٹھا چونک اٹھتا اور کہتا: ''لَبَّیْکِ یَا اُخْتِیْ!... لَبَّیْکِ یَا اُخْتِیْ!'' دوست پوچھتے: ''تم کیا کہتے ہو؟'' وہ کہتا ''میں چشمِ تصور میں دیکھ رہا ہوتا ہوں کہ میری بہن مجھے فریاد کر رہی ہے، پکار رہی ہے تو میں کہتا ہوں: ''میری بہن! میں حاضر ہوں، میری بہن! حاضر ہوں۔''

ایک نوجوان اپنی بہن کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لیے جان دینے کی خاطر یوں بے قرار ہوتا تھا۔ وہ عزتوں کے محافظ ہوا کرتے تھے، جبکہ آج ہم عزتوں کے لٹیرے بنے پھرتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کے سامنے گردنیں جھکاتے تھے، جبکہ ہم اپنے نفس کے سامنے جھکتے پھرتے ہیں۔ ہم اللہ کے بندے بننے کے بجائے اپنی خواہشات کے بندے بنے پھرتے ہیں۔

بہترین اصولِ زندگی:

خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یاد رکھیے! ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا: ''حضرت! ایک آدمی میرا مخالف ہے، وہ ہر وقت میرے خلاف باتیں کرتا رہتا ہے اور میرے راستے میں کانٹے بوتا رہتا ہے۔'' حضرت نے بلا کر قریب کیا اور فرمایا: ''دیکھ! اگر کوئی تیرے راستے میں کانٹے بچھائے تو تُو اس کے راستے میں کانٹے نہ بچھانا۔ ورنہ ساری دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔'' بھئی! اگر کسی کے اندر منفی سوچ ہے بھی تو ہمیں مثبت سوچ رکھنی چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ (فصلت: ۳۴)

اللہ رب العزت ہمیں محبتوں بھری زندگی عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

فرصتِ زندگی کم ہے محبتوں کے لیے
لاتے ہیں کہاں سے وقت لوگ نفرتوں کے لیے؟

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

شہادتِ حسین

شہادتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حقائق کی روشنی میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾

(فصلت: ۳۰)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

حیاتِ جاوداں:

بے شک جن لوگوں نے کہا: ''ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جم گئے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن ہوگا۔ ان کی طرف فرشتے بھیجے جائیں گے جو ان کو جنتوں کی

بشارتیں دیں گے اور یہ پیغامِ ربی سنائیں گے کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے دوست ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۵۴)

''جو میرے راستے میں قتل کر دیا جائے، اسے تم مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہے، لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

پھر ارشاد فرمایا: ''جو میرے رستے میں قتل کر دیے جائیں ان کو مردہ نہ کہنا، گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں۔''

﴿بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۶۹)

''وہ زندہ ہیں اللہ کے پاس، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

حقیقی مؤمن کون ہے؟

ایک بنیادی بات سمجھنے کی ہے کہ مؤمن ایک ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے کلمہ پڑھ کر اللہ سے ایک سودا کیا ہو۔ سودا کیسا؟ وہ یہ کہ اے اللہ! میری جان اور میرا مال، یہ سب کچھ میں نے تیرے مشاہدہ کے بدلے میں تیرے ہاتھ پر بیچ دیا۔ اللہ رب العزت بھی تو ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

(التوبۃ:۱۱۱)

''اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا۔''

کیا ملے گا؟ جنت ملے گی۔ کیا وہاں صرف باغات اور حور و قصور ہوں گے؟ نہیں،

بلکہ وہ ایسی جگہ ہوگی جہاں اللہ رب العزت کا مشاہدہ ہوگا۔

مؤمن وہ بندہ ہوتا ہے جو اللہ کی لقا اور اللہ کی رضا کے عوض میں اپنی جان اور مال کو اللہ کے ہاں فروخت کر بیٹھتا ہے، اس کا اپنا کچھ نہیں رہتا۔ جب وقت آتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ یہ ایک بنیادی سبق تھا جو اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا کہ تمہارا سب کچھ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ جب کوئی موقع آ جائے تو تم نے قدم آگے بڑھانا ہے اور قربانی دینے سے دریغ نہیں کرنا۔ یہ ایک بنیادی سبق تھا جو بلاتفریق سب کو سکھا دیا گیا۔ بڑا کیا، بوڑھا کیا، جوان کیا؟ صحت مند کیا معذور کیا؟ مرد کیا، عورت کیا؟ ایک ایک مومن کے اندر یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔

تمنائے شہادت:

اگر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کریں تو واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں شہادت کا مرتبہ پانے کے لیے تڑپتے رہتے تھے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حج کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں پڑاؤ کیا، چاندنی رات تھی، آپ رضی اللہ عنہ چاند کی طرف دیکھ رہے تھے، کبھی اس کے سامنے بادل آ جاتے اور کبھی بادلوں کے آنچل سے روشن چہرہ نکال کر وہ عالم کو منور کر دیتا تھا۔ وہ اس کے اوپر آنے والے مختلف خوبصورت مناظر کافی دیر تک دیکھتے رہے۔ جب رات کا آخری پہر شروع ہوا تو طبیعت مچل اٹھی اور اللہ کے حضور سربسجود ہوئے اور یہ دعا لبوں پر جاری ہوگئی ''اے اللہ! جیسے یہ چاند مختلف حالتوں سے گزرتا چلا گیا، ایسے ہی میری زندگی میں بھی مختلف حالات آتے جا رہے ہیں، اب میں بھی بوڑھا ہوگیا ہوں۔ اے اللہ!

ایک تمنا ہے، آپ اسے پورا فرما دینا ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ.''
''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت کی موت نصیب کر دینا۔''

وہ حضرات شہادت کو تمنا بنا کر اللہ سے مانگتے تھے۔ چنانچہ یکم محرم کو فجر کی نماز کے لیے مصلے پر کھڑے ہوئے اور دورانِ نماز ایک مجوسی غلام ''ابولؤلؤ'' نے آپ رضی اللہ عنہ پر خنجر کا وار کیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے انہی زخموں کی حالت میں ہی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ (تاریخ الاسلام للذھبی، تاریخ الخلفاء للسیوطی)

دو ننھے مجاہدوں کا جذبۂ جہاد:

وہ حضرات ان چیزوں کو گراں نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ ان قربانیوں کو اپنی سعادت سمجھتے تھے کہ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا کہ اس قربانی کے لیے ہمیں قبول فرما لیا۔ یہی ایک بنیادی بات ہے جو آپ کو سمجھانی ہے۔

بڑوں کی بات تو اور ہے، آیئے! چھوٹوں کی زندگی کو دیکھتے ہیں۔ بدر کا میدانِ کارزار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرما رہے ہیں، دو چھوٹے بچے ہیں، ایک قد میں نسبتاً بڑا ہے اور دوسرا چھوٹا ہے۔ دونوں جہاد میں شریک ہونے کے لیے کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے بچے کو دیکھا تو اسے اجازت مرحمت فرما دی اور دوسرے سے فرمایا کہ تم ابھی چھوٹے ہو، اس لیے جہاد میں نہ جاؤ۔ فرطِ شوق سے وہ بچہ رونے لگا اور عرض کی: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس بھائی کے ساتھ میری کشتی کروا لیجیے۔ اگر میں اسے پچھاڑ دوں تو آپ مجھے بھی اجازت دے دیجیے گا...... یہ بات ذہن میں رہے کہ لوگ کوئی پکنک منانے نہیں جا رہے تھے، بلکہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر اپنی جانیں دینے جا رہے تھے۔ جس جماعت کے بچوں کا یہ جذبہ ہو، اس جماعت

کے بڑوں میں کتنا جذبہ بھرا ہوگا؟......دونوں کی کشتی کرائی گئی۔ چھوٹے نے بڑے کے کان میں کہا: ''بھائی! تمہیں تو اجازت مل ہی گئی ہے، اگر آپ جان بوجھ کر گر جائیں گے تو مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہو جائے گی۔'' چنانچہ تھوڑی دیر کی زور آزمائی کے بعد بڑا خود گر جاتا ہے اور چھوٹا اس کے سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے اور مسکرا کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتا ہے اور پکار کر عرض کرتا ہے: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! اب تو مجھے بھی جہاد میں جانے کی اجازت دے دیجیے۔'' جیسے کوئی تڑپ رہا ہوتا ہے، جانے کے لیے دل مچل رہا ہوتا ہے۔ (المغازی الواقدی: ۱/ ۲۱۶)

معذور صحابی رضی اللہ عنہ کا جذبۂ شہادت:

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو کہ پاؤں سے معذور ہیں۔ جب جہاد کے لیے گھر سے جانے لگے تو بیوی نے مذاق میں یوں کہہ دیا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ بھاگ کر واپس آرہے ہیں۔ یہ سن کر دعا مانگی ''اے اللہ! اب میری نعش کو بھی گھر واپس نہ لوٹانا۔'' جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کے چار نوجوان بیٹے بھی جہاد میں شریک ہیں۔ آپ جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو بن جموح! تیرے چار بیٹے شریک ہو رہے ہیں، تو معذور ہے، تجھے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! میں بھی چاہتا ہوں کہ جنت میں جاؤں، اجازت دے دیجیے۔'' آپ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی۔ لڑائی میں شہید ہو گئے۔ بیوی نعش کو لینے گئی، واپس لانے کے لیے اونٹ کا رخ پھیرتی ہے مگر سواری چلتی ہی نہیں، بڑی کوشش کی مگر بے سود۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صورتِ حال عرض کی۔ فرمایا: ''کیا عمرو بن جموح گھر سے روانہ ہوتے وقت کچھ بات کر کے

گئے تھے؟'' عرض کی: ''جی ہاں! گھر سے جاتے وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! میری لاش کو بھی واپس گھر نہ لوٹانا۔ فرمایا: ''اب عمرو بن جموح کی لاش بھی گھر واپس نہیں جا سکتی۔'' وہ جیالے تھے جن کو اللہ کے راستے میں ہی دفن کر دیا گیا۔

(سبل الھدی والرشاد، المغازی الواقدی)

جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہو، اس قوم کے صحت مندوں کا عالم کیا ہوگا!!

جذبۂ جہاد کی درخشندہ مثال:

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا اپنے چھوٹے سے بچے کو جسے ہاتھوں میں اٹھایا ہوا تھا، لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں، گھر میں کوئی مرد نہیں، جسے میں بھیج سکوں، میرے اس چھوٹے سے بچے کو جہاد کے لیے قبول فرما لیجیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بچہ کیسے جہاد کرے گا؟...... یہ تو اتنا چھوٹا ہے کہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا، یہ کس کام آئے گا؟...... عرض کرنے لگی: ''جی ہاں! یہ واقعی اتنا چھوٹا ہے، مگر آپ اسے قبول کر لیجیے اور اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس بچے کو کسی ایسے مجاہد کے ہاتھ میں دے دیجیے جس کے پاس ڈھال نہ ہو، تاکہ جب دشمن تیروں کی بارش برسائے تو وہ مجاہد ان تیروں سے بچنے کے لیے ڈھال کے طور پر میرے بچے کو آگے کر دے، میرا بیٹا دشمن کے تیروں کو روک تو سکتا ہے۔ اللہ اکبر!

جس قوم کی عورتوں میں شہادت اور قربانی کا یہ جذبہ ہو، اس قوم کے مردوں کا عالم کیا ہوگا!!؟

ایک بنیادی بات جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنھن میں ایک Spirit (جذبہ) پھونک دی

تھی۔ ان کے دلوں میں ایک جذبہ بھر دیا تھا، اس لیے وہ لوگ اللہ کے راستے میں جان دینا بوجھ نہیں بلکہ اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔

شاباش اے جذبۂ ایمانی!

بدر کا میدان ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے آتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بیٹا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا، بعد میں مسلمان ہوا، وہ کفار کی طرف سے آتا ہے۔ جنگ کے کچھ دنوں بعد دونوں باپ اور بیٹا کسی موقع پر اکٹھے بیٹھے تھے۔ بیٹا کہتا ہے: ''ابا جان! بدر کے دن فلاں موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں آئے تھے، لیکن میں نے آپ کو اس لیے چھوڑ دیا کہ آپ والد ہیں اور میں نے وار نہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بیٹا! میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اگر اس دن تو ابوبکر کی تلوار کے نیچے آجاتا تو میری تلوار تیرے جسم کے ٹکڑے کر دیتی۔''

ایک نازیبا غلط فہمی:

محترم سامعین! آپ ذرا اپنے ذہنوں سے سوچیے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں یوں قربانیاں دینے والے ہوں۔ ان ہستیوں کے بارے میں یہ توقع رکھنا کہ ان کے اوپر قربانی کا موقع آیا تو ان کی مستورات نے چادریں اتاریں، اپنے بال بکھیرے، سروں میں مٹی ڈالی، یہ کتنی بعید از قیاس بات ہے!! ایسی ہرزہ سرائی صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اس ماحول سے ناواقف ہو، جو اس ماحول کو اور ان عظیم ہستیوں کے ایمانی مقام کو بالکل ہی نہ سمجھے، صرف وہی شخص ایسی باتیں کر سکتا ہے۔ وگرنہ جو ان لوگوں کی قربانیوں سے واقف ہے وہ قطعاً ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ ان میں ایک سے بڑھ کر ایک، دین کے لیے قربانیاں دینے والا تھا۔ ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی قربانیوں کو

دیکھا جائے اور پرکھا جائے تو عظمتوں کے مینار نظر آتے ہیں۔

تاریخِ اسلام کی ایک روشن حقیقت:

اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے ایک ایسا معاشرہ بنا دیا تھا، کہ ان کے دلوں میں جہاد کا جذبہ بھر دیا تھا، ان کو شہادت کا رتبہ سمجھا دیا۔ اس لیے ان کے لیے اپنی جان کو اللہ کے نام پر قربان کرنا بالکل آسان تھا۔ لہٰذا جب آپ یہ ماضی ذہن میں لے کر بیٹھیں گے، یہ Background (پسِ منظر) اپنے ذہن میں رکھیں گے تو آپ کو کربلا کا سارا واقعہ بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔ مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ وہ حضرات تھے جو اللہ کے راستے میں اپنی جان تک قربان کر دینا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ رو دھو کر نہیں، بلکہ خوش ہو کر قربانیاں دیتے تھے۔ دعائیں مانگ مانگ کر اللہ کے راستوں میں شہید ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ شہادت ان کی زندگیوں کا گوہرِ مقصود ہوا کرتا تھا۔ اس حقیقت کو اگر پیشِ نظر رکھیں گے تو میری اگلی بات سمجھ میں آجائے گی۔

سانحہ کربلا...... دو نکتہ ہائے نظر:

محرم کے ان دنوں میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی اور ان کے ساتھ کربلا میں جو پیش آیا، اس کو عام طور پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، لیکن اس کی تفصیل ہر آدمی کی اپنی سوچ، فکر اور ایمانی جذبے کے مطابق ہوتی ہے۔

(۱) کافری انداز:

جو بزدل آدمی ہوگا وہ اپنے پر قیاس کرے گا کہ اگر میرے گھر کے لوگ اس طرح مر جاتے تو ہم بال کھولتے، مٹی ڈالتے اور واویلا کرتے، کہ ہمارے ساتھ یہ مصیبت پیش

آئی، لہٰذا وہ ان کو اپنے پر قیاس کرتے ہیں۔

(۲) ایمانی انداز:

مگر جو ایمان والے ہیں، جن کے دلوں میں قربانی کا مادہ بھرا ہوا ہے اور جن کے دلوں میں نورِ ایمان پھیلا ہوا ہے، وہ اس عظیم واقعہ کو حقائق کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک تاریخِ اسلام کا تسلسل ہے، جس کی بنیاد پیغمبرِ اسلام علیہ السلام نے رکھی تھی۔ پھر آپ کے عشاق نے اس پر کتنی اینٹیں لگائیں!؟ بنیاد کو مضبوطی سے اوپر اٹھایا اور پھر بعد میں آنے والوں نے اس پر عالیشان عمارتیں کھڑی کیں۔ ان حضرات نے ایسی عظیم قربانیاں دیں اور کارہائے نمایاں انجام دیے کہ انسان ان کو دیکھتا ہے تو ان کی عظمت پر حیران رہ جاتا ہے۔

کوفی......لا یوفی:

یہ واقعہ میں آج آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے بھیجے گئے کچھ خطوط ملتے ہیں کہ آپ تشریف لائیے! ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور آپ کی غلامی میں زندگی بسر کریں گے۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے آپ نے اپنے ایک عاشق صادق حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا۔ جب وہ کوفہ میں پہنچے تو ان کا شایانِ شان استقبال ہوا، ایسا استقبال جو اہلِ اقتدار کو اچھا نہ لگا۔ یزید نے کوفہ کے حکمران کو معزول کر کے ابنِ زیاد کو حاکم بنا کر بھیجا۔ ابنِ زیاد نے وہاں آ کر ایک تقریر کی اور کوفیوں کو ڈرایا دھمکایا۔ چنانچہ محبت کے کھوکھلے نعرے لگانے والوں نے گیدڑ کا کردار ادا کیا اور بزدل ثابت ہوئے۔ اور پورا شہر جو ایک وقت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو آنے کی دعوت دے رہا تھا، اس نے اس طرح آنکھیں پھیر لیں کہ اب

بھرے شہر میں کوئی اپنا نظر نہ آتا تھا۔

کربلا کا شہیدِ اوّل:

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ، امِ ہانی بنت عروہ کے گھر چھپ گئے، مگر بالآخران کو شہید کر دیا گیا۔ ان کا یہ چھپنا اپنی جان کے خوف سے نہیں تھا، یہ بات ان کی شان کے خلاف تھی، بلکہ وہ خفیہ طور پھر خط لکھ کر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حقیقتِ احوال سے آگاہ کرنا چاہتے تھے، جبکہ اس سے پہلے وہ شروع میں کوفیوں کی محبت وعقیدت کو دیکھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط بھیج چکے تھے کہ حالات سازگار ہیں، آپ تشریف لے آیئے۔

چل دیے سوئے مقتل:

وہ خط آپ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ اس سے تصدیق ہوگئی کہ مجھے جانا چاہیے۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے قافلے کے ساتھ روانگی کا ارادہ فرما لیتے ہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ نے منع بھی فرمایا، مگر آپ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر کوفیوں کے بارہ تیرہ ہزار خطوط تھے۔ پھر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی اس بات پر مہرِ تصدیق تھی، اس لیے آپ نے روانگی فرمادی۔

تدبیر اور تقدیر روبرو:

آپ نے تدبیر کی، مگر تقدیر ہنس رہی تھی۔ بندہ سوچتا کچھ اور ہے اور اس کو پیش کچھ اور آیا کرتا ہے۔ یہ اللہ کا دستور ہے، سنت اللہ ہے، کیونکہ اس نے اپنے کلام پاک میں یہ فرمادیا:

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۲۱)

''اور اللہ اپنی تدبیر میں غالب ہے، اکثر لوگوں کو اس بات کا علم نہیں۔''

...... برادرانِ یوسف علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کرنا چاہتے تھے؟ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ پیش وہی آیا جو میرے مالک کی مرضی تھی۔

......ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کے گلے پہ چھری چلانا چاہتے تھے، لیکن پیش وہ آیا جو میرے اللہ کو منظور تھا۔

......سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کس ارادہ سے قدم اٹھا رہے ہیں، مگر آگے پیش کیا آنا ہے؟ اس کو اللہ ہی جانتا تھا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے تین نکات:

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو ابن زیاد کی فوجوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب صورتِ حال کو دیکھا تو آپ نے ان کے سامنے تین مطالبات پیش کیے، تین نکات ان کے سامنے رکھے:

1. مجھے یزید سے ڈائریکٹ بات کرنے دی جائے...... یا
2. مجھے واپس جانے دیا جائے...... یا
3. مجھے ملک سے اس پار سرحد پر جانے کی اجازت دی جائے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی تینوں شرائط حقیقت پر مبنی تھیں، لیکن ابنِ زیاد طاقت کے نشے میں اندھا ہو چکا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ابھی میرے سامنے اسی وقت وہ بات (خلافت) تسلیم کر لی جائے۔

جبلِ استقامت:

دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، جانتے تھے

کہ جب میں حق پر ہوں تو اب اگر ساری دنیا بھی مخالف ہو جائے تو مجھے اس بات کی قطعاً پروانہیں۔ بات سمجھ آئی......؟

اس بات کی قطعاً پروانہیں کہ میرے اور میرے قافلے کے ساتھ کیا بیت جائے؟ ان کے سامنے اسلام کی ایک تاریخ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے بڑے یوں قربانیاں دے کر گئے ہیں۔ اگر مجھے بھی قربانی دینا پڑی تو میں برضاء ورغبت اور خوشی کے ساتھ ایسی قربانیاں پیش کروں گا۔ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب میں سامانِ بقا تیرے لیے ہے
اللہ کے رستے کی جو موت آئے مسیحا!
اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے ہے
کیا غم ہے کہ ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

مناقبِ حسین رضی اللہ عنہ:

* ......سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہادی دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔
* ......وہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا تھے۔
* ......ان کی رگوں میں نبوی خون دوڑتا تھا۔
* ......وہ جرأت منداور ارجمند تھے۔

- ......ان کے اندر بہادری کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔
- ......وہ شجاعتِ حیدر رضی اللہ عنہ کے وارث تھے۔
- ......وہ بلند ہمت ہستی تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ میں اپنا سب کچھ اللہ کے لیے قربان تو کر سکتا ہوں، مگر یہ گردن کسی بندے کے سامنے جھک نہیں سکتی۔

کٹا کر گردنیں دکھلا گئے ہیں کربلا والے
کسی بندے کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

تشنہ لب...... برلبِ فرات:

جن کو اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اور جن کی نگاہیں اللہ پہ جمی ہوتی ہیں وہ ہر مصیبت کو خوشی سے جھیل جاتے ہیں، وہ اللہ کے نام پر تن من دھن کی بازی لگا دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسا بھی وقت آیا کہ پانی بند کر دیا گیا، بڑوں کے لیے تو پانی تھا ہی نہیں، معصوم بچوں کو بھی پینے کے لیے پانی نہ دیا گیا، نرغہ تنگ کر دیا گیا، جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے وہ ایک ایک کر کے شہید ہونا شروع ہو گئے۔

جوانِ رعنا کی شہادت:

علی اکبر رضی اللہ عنہ، آپ کے جوان بیٹے آگے بڑھتے ہیں اور عربی میں فرماتے ہیں:

اَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ
نَحْنُ وَ بَيْتِ اللّٰهِ! اَوْلٰى بِالنَّبِيِّ

''میں علی بن حسین بن علی ہوں اور کعبہ کے رب کی قسم! ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۰۲، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۰۱)

یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلتے ہیں اور اللہ کے راستے میں جامِ شہادت نوش فرماتے ہیں۔ جوان بیٹے نے شہادت کا جام نوش کیا، ایسا نہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ خوف کھا گئے ہوں۔ ہرگز نہیں، بلکہ اُن کے دل کی یہ صدا تھی کہ اے اللہ! یہ باغ میں نے تیرے لیے ہی لگایا تھا...... تو اس میں سے جو پھول پسند کرلے میرے لیے سعادت ہے۔ ؎

میری قسمت سے الٰہی! پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

آپ رضی اللہ عنہ کے باقی ساتھی بھی شہادت حاصل کرنے کے لیے باری باری آگے بڑھ رہے ہیں۔ مستورات کو پتہ چلتا ہے کہ علی اکبر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں، مگر انہوں نے کمالِ صبر کا مظاہرہ کیا، کیونکہ ان کے سامنے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعات تھے...... یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔...... کون حمزہ؟ جو سید الشہداء تھے۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سَیِدُ الشُّہَدَآءِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ.'' (جامع الاحادیث للسیوطی، رقم: ۱۳۲۱۸)

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک شہیدوں کے سردار (حمزہ رضی اللہ عنہ) ہوں گے۔''

ان کو بارگاہِ نبوت سے یہ خطاب ملتا ہے۔ ان کی شہادت کی ذرا تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔

شہیدوں کا سردار:

احد کا میدان ہے، وحشی نے تیر پھینکا یا نیزہ پھینکا، جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو لگا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوتے ہیں۔ ہندہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں اپنے والد کا بدلہ لوں گی اور حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چباؤں گی۔ چنانچہ دشمنوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی لاش کے اوپر تلواریں چلائیں، آنکھ کے اندر نیزے گاڑے، آپ رضی اللہ عنہ کے کان کاٹے گئے، ناک کاٹ لیا

گیا، زبان کاٹی گئی، سینہ کھول کر اندر سے دل اور جگر کو نکالا گیا۔ ہندہ نے اس دل اور کلیجے کو چبایا اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/ ۱۱۰)

وہ اپنی عداوت کو پورا کرنا چاہتی تھی، لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سید الشہداء کے اعضا کا بنا ہوا ہار ہے، جس گلے میں پڑے گا، یا تو وہ گردن جھک جائے گی، یا ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گی!! چنانچہ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندہ نے گلے میں ہار پہنا اور بے چاری ہار گئی...... بالآخر اس کو ایمان قبول کرنا پڑا۔ نبی علیہ السلام کے قدموں میں آنا پڑا۔

نبوت بھی رو پڑی:

جہاد کے بعد رسول اللہ ﷺ شہیدانِ اسلام کی لاشوں کو دیکھتے ہیں۔ اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا، مگر دیکھا نہیں جا تا تھا۔ جن آنکھوں میں نیزے گھونپے گئے ہوں، زبان کاٹی گئی ہو، ناک اور کان کاٹ لیے گئے ہوں، سینہ کھول کر اندر سے دل اور کلیجہ نکالا گیا ہو، آپ ذرا سوچیں! اس لاش کا کیا عالم ہوگا!؟ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ ﷺ رونے لگے۔ رحمت للعالمین ﷺ کی مبارک آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ گئے۔

شہید کی بہن کا صبرِ عظیم:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو آپ میدان جنگ کی طرف بھائی کی لاش کی طرف چل دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منع کرنا چاہا کہ مبادا برداشت نہ کر سکیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا کہ میں تو بھائی کو مبارک باد دینے جا رہی ہوں۔ میرے آقا ﷺ نے جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ بہن آتی ہیں اور بھائی کے چہرے کو دیکھتی ہیں، شکرانے کے انداز میں دو باتیں کہتی ہیں اور ان کو اللہ کے حوالے کر

کے واپس تشریف لے جاتی ہیں......(سبل الہدیٰ والرشاد: ۴؍۲۲۴)

جب علی اکبر کی شہادت کی خبر پہنچی تو مستورات کے ذہن مین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وہ قربانیاں تھیں، نائلہ رضی اللہ عنہا کی قربانیاں ان کے ذہن میں تھیں، وہ جانتی تھیں کہ انہیں صبر کرنا ہے۔

آ گیا عین لڑائی میں جب وقتِ نماز:

بالآخر وہ وقت آیا جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ خود آگے بڑھتے ہیں، دشمنوں کے ساتھ تیغ زنی ہوتی ہے، حتی کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ اب ذرا اندازہ کیجیے! دشمن کے گھیرے میں ہیں۔ جان کا معاملہ ہے۔ تیروں کی بارش ہورہی ہے، مگر جب نماز کا وقت آیا تو یہ نہیں فرمایا کہ نماز قضا کردی جائے...... ہرگز نہیں! کیوں؟ اس لیے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ مجھ سے پہلے میرے چچا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر ایک سبق تعلیم فرمادیا تھا کہ عین مصلّٰے نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر، نماز کی امامت کی حالت میں جب ان پر خنجر کا وار کیا گیا تھا اور وہ زخموں کا تاب نہ لاکر گر گئے تو گرتے گرتے بھی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نماز کا امام بناتے ہیں اور نماز پوری کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ ان کو تھا کہ یہ وہی سجدہ ہے جو

......عمر فاروق رضی اللہ عنہ کرکے دکھا گئے۔

......عثمان غنی رضی اللہ عنہ کرکے دکھا گئے۔

ان کے سامنے وہ تاریخ تھی۔ وہ اس موقع کے لیے تو بہت پہلے سے تڑپ رہے تھے۔

قابلِ رشک سجدہ:

اللہ کی قسم! یہ وہ سجدہ ہوتا ہے، جس پر عبادت کو بھی رشک آتا ہے۔ ایسا ایک سجدہ

انسان کی ساری زندگی کی عبادتوں کا سرتاج بن جاتا ہے۔ اب وہی وقت آ گیا تھا کہ اِدھر سے نماز کا وقت ہے اور اُدھر سے دشمنوں کا گھیرا ہے، مگر آپ رضی اللہ عنہ پھر بھی نماز کے لیے سر کو جھکا دیتے ہیں اور اپنی اس تمنا کو پورا کرتے ہیں ''کاش! یہ جبین ایسے وقت سجدہ میں جھک جائے کہ جب اللہ کے راستے میں شہادت کی سعادت نصیب ہو رہی ہو۔'' چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے وہ سجدہ کیا جو سجدوں کا بھی چیئرمین بن گیا...... ایک وہ سجدہ جس پر لاکھوں سجدے انسان قربان کر دے۔ ایک وہ سجدہ جس کو دیکھ کر ملائکہ بھی انسان کی عظمت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ وہ سجدہ جس کے اوپر انسانیت کو رشک آتا ہے۔ وہ سجدہ جس کو دیکھ کر انسان کے خلیفۃ اللہ بننے کی بات سمجھ آتی ہے...... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے وہ سجدہ کر دیا۔ اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی، لیکن اللہ کے فریضے کو ادا کر کے بتا دیا کہ دیکھو! حق والے اپنی جان تو دے سکتے ہیں، مگر اللہ کے حکم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ اکبر!!!

قربانیوں کا درس:

ان عظیم قربانیوں سے ہمیں کچھ سبق ملتے ہیں۔ ان واقعات سے ہمیں کچھ باتیں سمجھنی ہیں:

......ان حضرات کے اندر صبر و استقامت کس طرح کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی!!

......وہ کتنے بلند حوصلے والے لوگ تھے!!

......ان کے دلوں میں جذبہ کس قدر تھا!!

انہوں نے ہمیں ایک سبق سکھایا جو ہمیں آج سمجھنا ہے۔ سمجھنے کے بعد زندگی میں اس پر عمل کرنا ہے۔ گویا بتلا دیا کہ اللہ والے زندگی ایسے گزارا کرتے ہیں، اللہ والے اللہ کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیا کرتے ہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے ہمیں اسلام کی تاریخ سمجھا دی اور بتلا دیا کہ اگر آئندہ بھی اسلام پر وقت آجائے تو اس سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے۔

پیاس کا چلہ:

اگر اہلِ بیت اطہار کو کچھ دنوں کے لیے پیاسا رہنا پڑا تو انہوں نے اس پر صبر کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم سے پہلے عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو ذی النورین تھے، وہ چالیس دن محاصرے میں پیاسے رہے۔ جب ان کو شہید کیا گیا تو وہ بھی اللہ کا قرآن پڑھ رہے تھے اور اللہ کا قرآن قیامت کے دن ان کی شہادت پر گواہ بنے گا۔

عظیم شہادتوں پر عظیم گواہ:

میں حیران ہوتا ہوں اس جماعت کی عظمت پر کہ وہ کیسے عظیم لوگ تھے!

......کسی کی شہادت کی گواہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کا محراب دے گا۔

......کسی کی شہادت کی گواہی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں گے۔

......کسی کی شہادت کی گواہی اللہ کا قرآن دے گا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن اپنے چچا (حمزہ رضی اللہ عنہ) کی شہادت کی گواہی اللہ کے سامنے میں خود دوں گا۔'' (کنز العمال، رقم: ۱۱۷۳۸)

درس گاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باکمال شاگرد:

یہ کیسی جماعت تھی!!...... حیران ہوتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت یافتہ تھے۔ واقعی! انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا حق ادا کر دیا...... یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب استاد کامل ہوتا ہے تو پھر شاگرد بھی ایسے کامل بنا کرتے ہیں۔ درخت اپنے پھل

سے پہچانا جاتا ہے...... رسول اللہ ﷺ کی عظمت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت کو سامنے رکھ کر سمجھ میں آتی ہے، وہ کیسے کامل استاد تھے جنہوں نے ایسے ایسے شاگرد تیار کر دیے!! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے عظیم کردار سے قربانی کی حقیقت سمجھا دی کہ اے بندے! تیرا سب کچھ اللہ کا ہے۔ یاد رکھنا! جب ایسا وقت آ جائے تو اپنا سب کچھ اللہ کے نام پر قربان کر دینا۔ اللہ اکبر!!

یہ وہ لوگ تھے جو زبانِ حال سے یوں گویا ہوتے ہیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اللہ والوں کا شعار:

لہٰذا ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہیے کہ جو کچھ ہوا اور جو قربانیاں دی گئیں، وہ خوش ہو کر دی گئیں، برضاء و رغبت دی گئیں۔ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ جب قربانی دی جا رہی تھی تو دل تنگ تھا یا اندر سے رو رہے تھے، ایسا بالکل نہیں تھا۔ یہ ایک بنیادی بات ہے۔ اگر یہ سمجھ آ گئی تو واقعہ ء کربلا پورا کا پورا آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔ انہوں نے خوش ہو کر جرأت کے ساتھ قدم آگے بڑھایا......

......اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے۔

......اللہ کے حکموں کو پورا کرتے ہوئے۔

......اللہ کے راستے میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اور یہ اللہ والوں کی شروع سے عادت رہی ہے۔ یہ شروع سے ان کی تاریخ ہے۔

عظمت و استقامت کی درخشندہ روایت:

ایک عیسائی بادشاہ نے دوصحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو گرفتار کرالیا۔ اس کے حکماء اور وزیروں نے ان کے چہروں پر دانائی اور دانش مندی کے آثار دیکھے تو انہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ کسی طرح ان کو اپنے دین پر لے آئیں تو یہ آپ کی فوج کے سپہ سالار بن سکتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کو اپنے دین پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی اور بالآخران کو جان سے مارنے کی دھمکی دے دی۔ لیکن وہ عظمت کے پہاڑ تھے، انہوں نے بادشاہ سے کہا: ''تو جو کرتا ہے کرلے، ہم یہ بات نہیں مان سکتے۔'' اس نے کہا کہ بہت اچھا!، ایک بڑے کڑاھے میں تیل گرم کیا گیا اور ان میں سے ایک کو اس ابلتے تیل میں ڈال دیا گیا، اس لیے کہ شاید دوسرے صحابی ڈر کر بات مان لیں۔ جب دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید اس کا دل پسیج گیا ہے۔ بادشاہ نے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تو پہلے بھی کہہ رہا تھا کہ بات مان لو۔ اگر پہلے بھی بات مان لیتے تو میں ان کو بھی تیل میں نہ ڈالتا۔ اس پر انہوں نے بادشاہ کو شیر کی طرح دیکھا اور فرمایا: ''او اللہ کے دشمن! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اس بات سے ڈر گیا ہوں کہ تو مجھے تیل میں ڈالے گا اور میں جل کر کباب بن جاؤں گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ میں تو یہ بات سوچ کر رو پڑا کہ میری ایک جان ہے۔ یہ ایک ہی دفعہ جل کر ختم ہو جائے گی، میرے دل میں تمنا تو یہ اٹھ رہی تھی کہ اے کاش!! میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی جانیں ہوتیں، تو مجھے اتنی مرتبہ تیل کے کڑاھے میں ڈالتا اور میں اتنی جانوں کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کرتا۔ (کنز العمال، رقم: ۳۷۲۸۳)

خانوادۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکباز مستورات:

یہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی قربانیاں آج بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ وہ مردِ آہن

لوگ تھے۔ وہ شیر دل لوگ تھے۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھوں میں تربیت پا چکے تھے۔

یہ لوگ باحیا اور باخدا، مستورات کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں کہ شہدائے کربلا کے غم میں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے دوپٹوں کو سر سے اتارا، اپنے بالوں کو بکھیرا اور پھر سروں میں مٹی ڈالی۔ شاید یہ ان کو اپنے آپ پر قیاس کر کے یہ باتیں کرتے ہیں، جبکہ حقیقت ہرگز ایسی نہیں۔ وہ صابرہ شاکرہ عورتیں تھی۔ وہ اپنی پیشانیوں کو اللہ کے حضور سجدے میں ٹیک کر اپنے مردوں کی کامیابی کے لیے دعائیں کرنے والی عورتیں تھیں۔ ذرا اس ماحول کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ ماحول کیسا تھا؟ ان کے دلوں میں شہادت کا جذبہ کیسے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا؟ پھر یہ بات سمجھ آجائے گی۔

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے:

میں آپ کو ایک اور واقعہ سنا دیتا ہوں، شاید اس سے بات سمجھنی آسان ہو جائے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش آیا۔ ایک دفعہ ایک صحابی ؓ رسول ﷺ مدت کے بعد جہاد سے واپس لوٹتے ہیں۔ شہر میں پیشگی اطلاع پہنچ جاتی ہے کہ فلاں فلاں مجاہد واپس آرہے ہیں۔ جب وہ جہاد کے لیے گھر سے رخصت ہوئے تھے تو اس وقت ان کی بیوی امید سے تھیں۔ اللہ نے ان کو بعد میں بیٹا عطا فرمایا۔ بیٹا کچھ بڑا ہو گیا تھا۔ اللہ کی شان کہ خاوند کے گھر پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ بچہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اب اس صحابیہ نے سوچا کہ میرا خاوند اتنے عرصہ بعد گھر آرہے ہیں، اگر میں ان کو پہنچتے ہی بیٹے کی وفات کی خبر دوں گی تو ہو سکتا ہے کہ ان کا دل بہت زیادہ رنجیدہ اور غمگین ہو۔ مجھے خاوند کا خوشی سے استقبال کرنا چاہیے اور ان کا دل خوش کرنا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے بچے کو غسل اور کفن دے کر ایک چارپائی پر ڈال دیا اور اس کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیا۔ خاوند جب گھر آئے تو کچھ

دیر بعد انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ بیوی نے کہا: ''اللہ نے بیٹا دیا۔'' پوچھا: ''کہاں ہے؟'' بیوی نے جواب دیا کہ وہ اس وقت سکون میں ہے، یعنی آرام میں ہے۔ وہ سمجھے کہ شاید سو رہا ہوگا، کیونکہ رات کا وقت قریب تھا۔ خاوند کو رات کا کھانا پیش کیا۔ بعد میں آپس میں باتیں کیں اور اکٹھے لیٹ گئے۔ رات کو خاوند نے ملنے کی خواہش کی تو بیوی نے خود کو پیش کر دیا...... آپ اندازہ کیجیے کہ یہ وہ عورت ہے جس کے سامنے بیٹے کی لاش پڑی ہے، مگر خاوند کو راحت کا سامان فراہم کیا......

رات گزر گئی، صبح بیدار ہوئے تو بیوی خاوند سے مخاطب ہوئی اور سوال کیا: ''اگر کوئی امانت دے اور پھر واپس مانگے تو کیا اسے لوٹا دینی چاہیے؟'' خاوند نے کہا: ''ہاں! بخوشی واپس دینی چاہیے۔'' فرمانے لگیں: ''اچھا! اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ کو ایک امانت دی تھی، وہ اس نے واپس لے لی ہے۔'' تب انہیں علم ہوا کہ میرا بیٹا تو کل کا فوت ہو چکا تھا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے اور میری بیوی نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی۔ چنانچہ اللہ نے اس رات کی ملاقات سے ان میاں بیوی کو بیٹا دیا جو بڑا ہو کر محدث اور مفسّر بنا۔

(بخاری، رقم: ۱۳۰۱، مسندِ ابی یعلی، رقم: ۳۸۸۲)

عظیم ہستیوں پر تہمت:

جب مریدوں کا یہ حال ہو تو ان کے پیروں کا عالم کیا ہوگا! جب عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں میں عورتوں کے اندر اس قدر قربانی اور صبر کا مادہ تھا، برداشت کا اتنا مادہ تھا تو

پھر اہلِ بیت کی عورتوں کے اندر کتنا صبر بھرا ہوگا؟ ان کے صبر و استقامت کے کیا کہنے!!
آپ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا چاہتا ہوں کہ یوں کہنا کہ

......ان حضرات نے واویلا کیا، یا

......اپنے دل کی خوشی کے ساتھ قربانی نہ دی، یا

......ان کے اوپر یہ مصیبت ڈال دی گئی اور وہ اس مشکل میں پھنس گئے تھے۔

یہ بات ہرگز ٹھیک نہیں، یہ ان عظیم ہستیوں پر ایک تہمت ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے، اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے!

اسلام......جری و باہمت لوگوں کا مذہب:

یقین جانیے! اگر ہمیں بھی شہادت کے متعلق وہ احادیث سمجھ آ جائیں جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائیں اور ہمارا ان پر یقین بن جائے تو پھر ہمارے لیے بھی خود کو شہادت کے لیے پیش کرنا کوئی مشکل نہیں ہوگا۔ یہ تعلیمات تھیں جو آپ ﷺ نے اپنی امت کو دیں۔ مؤمن Dynamic (فعال) آدمی ہوتا ہے۔ برنارڈ شا لکھتا ہے:

Islam is a religion but not for the lazy people.

''اسلام ایک مذہب ہے، مگر سُست لوگوں کے لیے نہیں۔''

یہ Dynamic لوگوں کے لیے ہے۔ یہ مذہب جری اور بے باک لوگوں کے لیے ہے۔ فعال اور متحرک لوگوں کے لیے ہے۔ وہ ایسی زندگی گزارتے ہیں جو متحرک اور محرک ہوتی ہے۔ ایسی باہمت زندگی گزارتے ہیں جو دوسروں کے لیے روشن مثال بن جایا کرتی ہے۔ چنانچہ سلف صالحین نے ایسی زندگیاں گزار کر ثابت کر دیا کہ مسلمان کی زندگی ایسی ہوتی ہے۔

فضائلِ شہادت

سنیے! اور دل کے کانوں سے سنیے! اللہ کے پیارے پیغمبر ﷺ شہید کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

''جب شہید کے جسم سے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسی وقت شہید کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔''

(جامع الاحادیث للسیوطی، رقم: ۳۶۰۲۰، کنز العمال، رقم: ۱۱۷۳۳)

اب جو بندہ شہادت کا یہ مژدہ سن چکا ہو اور اس کو یقین ہو کہ شہادت پر یہ انعام ملتا ہے تو کیا وہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے کو بوجھ سمجھے گا؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! یہ بات کس نے ارشاد فرمائی؟ تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا...... جن کو دشمن بھی صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ جس زبان مبارک سے ہمیشہ سچ ہی نکلتا تھا...... اس زبان فیضِ ترجمان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: ''شہید کے جسم سے جب خون کا پہلا قطرہ گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔'' (جامع الاحادیث للسیوطی، رقم: ۳۶۰۲۰، کنز العمال، رقم: ۱۱۷۳۳)

شہداء کی تمنا:

میرے پیارے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنتی اپنی جنتوں میں خوشی خوشی زندگی گزار رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے: ''تمہیں کسی اور چیز کی طلب ہے؟'' سب جواباً عرض کریں گے: ''اے اللہ! ہمیں کسی اور چیز کی طلب نہیں۔'' شہید

اللہ تعالیٰ کے حضور کہے گا: ''اے اللہ! مجھے ایک چیز کی طلب ہے۔'' اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: ''اے میرے بندے! تجھے کس چیز کی طلب ہے؟'' شہید عرض کرے گا: ''اے اللہ! میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تو مجھے دنیا میں بھیج دے، میں تیرے راستے میں پھر گردن کٹاؤں اور تیرے پاس آؤں، تو پھر بھیج دے، میں پھر گردن کٹاؤں اور پھر تیرے پاس آؤں۔'' (مسلم، رقم: ۱۸۸۷، مسندِ ابی عوانہ: ۴/۱۷۴)

شہید عرض کرے گا: ''اے اللہ! تیرے راستے میں گردن کٹاتے ہوئے جو لطف اور مزہ مجھے آیا تھا، وہ لطف تیری جنت میں بھی مجھے نہ مل سکا۔'' اللہ اکبر!!

ان احادیث مبارکہ میں شہادت کا مقام سمجھایا گیا کہ جو اپنے پروردگار کے نام پر جان قربان کرتا ہے، اسے کیا رتبہ ملتا ہے؟ ایک حدیث شریف میں آتا ہے: ''قیامت کا دن ہوگا، اللہ تعالیٰ شہیدوں کو اپنے پاس بلائیں گے کہ جنہوں نے میرے نام پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا وہ ذرا میرے قریب ہو جائیں۔ یہ مژدہ سن کر شہید جہاں جہاں کھڑے ہوں گے، آگے بڑھیں گے اور اللہ کے قریب پہنچیں گے، حتیٰ کہ اگر کسی شہید کے راستے میں ابراہیم خلیل اللہ بھی کھڑے ہوں گے تو وہ ایک طرف ہٹ جائیں گے اور شہید کو آگے جانے کا راستہ دے دیں گے۔ (کنز العمال، رقم: ۱۱۷۳۴)

شہید کو اللہ نے یہ فضلیت عطا فرمائی۔ شہید کو یہ بزرگی عطا فرمادی۔ شہید کو یہ کرامت عطا فرمادی کہ اللہ کے پیارے خلیل بھی ان کو راستہ دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی جانوں کو راہِ خدا میں قربان کر کے آئے ہوں گے۔ یہ وہ باتیں تھیں جو اللہ کے محبوب ﷺ نے اپنے جان نثاروں کو سمجھائیں۔ ان فضیلتوں کو حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تڑپا کرتے تھے۔ زندگیوں کے سالہا سال اپنی دعاؤں میں شہادت کی

تمنا اللہ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دعا مانگتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَہَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ." (صحیح البخاری، رقم:۱۸۵۷)

"اے اللہ! اپنے راستے میں مجھے شہادت کی موت عطا فرما۔"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی آخری تمنا:

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، آخری لمحات ہیں، رونے لگ گئے۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوئے۔ کسی نے پوچھا: "خالد! تیرے اوپر بڑے بڑے امتحان آئے، مگر تو نے کبھی حوصلہ نہ ہارا، آج کیا بات ہے کہ ہم تیری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہے ہیں؟" وہ جواب میں تڑپ کر کہتے ہیں: "ذرا میرے جسم کو دیکھو، اس پر تلوار کے سینکڑوں نشان ہیں۔" کہنے لگے کہ میرے دل میں ایک تمنا تھی کہ مجھے شہادت نصیب ہوتی۔ میں اس تمنا کو دل میں لے کر دشمن کی صفوں میں گھس جایا کرتا تھا۔ جہاں گھمسان کا رن ہوتا تھا، میں اپنے آپ کو ادھر لے جاتا تھا۔ شاید کہ مجھے شہادت نصیب ہو جائے۔ میرے بدن پر سینکڑوں زخموں کے نشان ہیں، مگر آج مجھے بستر پر موت آرہی ہے۔ میں اس لیے اللہ کے حضور میں رو رہا ہوں کہ میری آرزو پوری نہ ہوسکی۔"

(اسد الغابۃ:۱/۳۱۳، تہذیب التہذیب:۳/۱۰۷)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اپنی تمنا پر حسرت کے اظہار پر کسی سننے والے نے یوں کہا: "خالد رضی اللہ عنہ بات یوں نہیں کہ آپ نے شہادت کی دعائیں کیں اور وہ پوری نہ ہوسکیں، بلکہ بات کچھ اور ہے۔ تجھے اللہ کی طرف سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سیف اللہ" کا لقب عنایت فرمایا ہے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے اللہ کی تلوار کہا ہے۔ اگر تو میدان میں شہید ہوتا تو لوگ کہا کرتے کہ اللہ کی تلوار بھی توڑ دی گئی، لہٰذا میدانِ جنگ میں تجھے کوئی

مائی کا لال مار نہیں سکتا تھا۔ یہ تیری فضلیت ہے، چونکہ تو اللہ کی تلوار ہے اس لیے دشمنوں کو مولی گاجر کی طرح کترتا رہا اور آج اللہ کی تلوار اللہ کے حضور پیش ہو رہی ہے۔'' اللہ اکبر!! یہ وہ حضرات تھے کہ جن کے دلوں میں شہادت کی تمنا بے چین تھی، جن کے دل تڑپتے اور مچلتے تھے کہ کب ہمارے اوپر تلوار کا وار ہو اور اللہ کے حضور پہنچ جائیں۔

شہادت کی تمنا میں تو گھس جاتا تھا اعداء میں
مجھے اب بھی تیرا شوقِ شہادت یاد آتا ہے

خون سے نہانے والے:

شہید کا مقام کیا ہے؟ سنیے کہ جب عام آدمی فوت ہو، چاہے وہ بڑا ولی ہو، قطب ہو، ابدال ہو یا غوث ہو، تو اس کو غسل دو اور وردی پہنا دو۔ یعنی کفن دے دو، لیکن جب شہید کی باری آئی تو اللہ نے ضابطہ ہی بدل دیا۔ حکم فرما دیا کہ اسے پانی سے غسل دینے کی ضرورت نہیں یہ تو خون میں نہا چکا ہے۔ یہ میری محبت میں اپنے خون سے غسل کر چکا ہے، اور ہاں! اسے دوسری وردی بھی پہنانے کی ضرورت نہیں، یہ جس حال میں شہید ہوا ہے اسی حال میں میرے حضور پیش ہو۔ جب یہ خون سے رنگین کپڑوں میں میرے سامنے آئے گا تو میں اس کو دیکھ کر مسکراؤں گا، یہ مجھے دیکھ کر مسکرائے گا۔ شہید کے لیے اللہ تعالیٰ شریعت کا ضابطہ بدل دیتے ہیں۔ اپنی جان کو اللہ کے سپرد کر دینا، اپنی جان کا اللہ کے نام پر نذرانہ پیش کر دینا، یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

اہلِ بیت کی محبت، ہمارے ایمان کا جزو ہے:

ارے! جن کو شہادت کی سعادت مل رہی تھی ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے کہ وہ کس قدر خوش ہو رہے تھے۔ ان کی تو گویا عید تھی کہ میں نے اللہ کے نام پر اتنے پھول پیش کیے

اور اللہ نے وہ سب کے سب قبول فرما لیے۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں! انہوں نے بال بکھیرے تھے۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾

''بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔''

وہ لوگ ہمارے (اہلِ سنت والجماعت کے) بارے میں کہتے ہیں: ''جی! ان کو تو اہلِ بیت سے محبت ہی نہیں'' کیوں ان سے محبت نہیں؟ وہ ہمارے سر تاج ہیں، ہمیں ان سے سچی محبت ہے، بلکہ ان کی محبت ہمارے ایمان کا جزو ہے۔

شہید کا سب سے بڑا اعزاز:

سنو! شہید کا رتبہ ذرا اور سن لو! شاید کسی کے دل میں شہادت کا جذبہ بیدار ہو جائے۔ ع

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یہ بات رقم فرمائی ہے کہ جب عام آدمی کی روح قبض کرنی ہو، چاہے وہ کوئی ولی ہو، غوث ہو ابدال ہو۔ تو ملک الموت کو بھیجا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب شہید کی روح قبض کرنے کا موقع آتا ہے تو اللہ رب العزت ملک الموت سے فرماتے ہیں: ''عزرائیل! تو پیچھے ہٹ جا، یہ بندہ میرے نام پہ جان دینا چاہتا ہے۔ اس کی جان کو میں خود اپنے ہاتھوں سے قبض کروں گا، اللہ اکبر!!

جی ہاں! جن کو شہادت کے رتبے کی قدر تھی اور جن کو شہادت کے انوکھے فضائل معلوم تھے، وہ تمنا بنا کر شہادت کی دعائیں مانگا کرتے تھے:

''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ.'' (صحیح البخاری: ۱۸۵۷)

درسِ حسین رضی اللہ عنہ:

میرے دوستوں! سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان میں ہمیں اس بات کا سبق دے دیا کہ: ''اللہ والے گردنیں تو کٹوا سکتے ہیں، مگر کسی غلط چیز کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتے۔''

اور اہلِ بیت اطہار کی عظیم مستورات نے بھی کمالِ صبر کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کر دیا کہ جو ایمان والی ہوتی ہیں، وہ اتنی بڑی بڑی قربانیوں پر بھی اللہ کے سامنے شکر کے سجدے بجالایا کرتی ہیں۔ اللہ اکبر!!!

شکستہ دل سے جو آہ نکلے تو فرش کیا عرش کانپ اٹھے گا
درِ قفس جو وا نہ ہوگا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رکا ہے جو اب رکے گا
چراغ ایماں تو آندھیوں میں جلا کیا ہے جلا کرے گا

کیا سمجھتے ہیں؟؟ انہوں نے اپنے عمل اور کردار سے یہ سبق دے دیا کہ دیکھو!

......ایمان والے اسی طرح جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

......بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

......اور اسی طرح آگے بڑھ کر قربانیاں پیش کیا کرتے ہیں۔

دو اہم نکتے:

اس ساری تفصیل سے میں آپ کو دو اہم نکتے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ایک نکتہ یہ ہے: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک چیز کو غلط سمجھا تو آپ اپنے مؤقف پر

میدانِ کربلا میں ڈٹ گئے کہ میں اس غلط کو صحیح نہیں مان سکتا۔ یہ گردن کٹ تو سکتی ہے، لیکن ظلم کے سامنے جھک نہیں سکتی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی قربانیاں آج تک زندہ ہیں، قیامت تک زندہ رہیں گی اور لوگ ''حسینیت زندہ باد'' کے نعرے لگاتے رہیں گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ حسینیت کیا ہے؟ حسینیت یہ ہے کہ انہوں نے ایک چیز کو شریعت اور عزیمت کی رو سے غلط سمجھا، تو پھر وہ کٹ تو گئے، مگر اس کے سامنے جھکے نہیں۔ یعنی حسینیت ہے ہی وہ چیز جو ناحق کو تسلیم نہیں کر سکتی اور نہ ہی غلط کے سامنے جھک سکتی ہے۔ اگلی اہم بات سمجھنے کے لیے یہ نکتہ ذہن میں رکھیے گا۔

اگلا اہم نکتہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر یکے بعد دیگرے بیعت کی، ان کی خلافت کو دل و جان سے قبول کیا اور ان کی اطاعت اور سرپرستی میں زندگی گزاری۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو چاہتے تھے اور ان کو حق سمجھتے تھے۔ اگر ان کو حق نہ سمجھتے تو کبھی بیعت نہ کرتے۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ ان کے خلاف لڑائی نہیں کی، بلکہ ان کی خلافت کو قبول فرما لیا۔ اگر آپ ان کو حق پر نہ سمجھتے تو دستبردار نہ ہوتے، بلکہ خلافت کے احیا کے لیے جنگ کرتے، کیونکہ دینِ اسلام میں خلافت کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان کے خلاف تھا کہ وہ ایک ایسے خلیفہ کو قبول کر لیتے جو حق پر نہ ہوتا۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنے بڑوں کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ وہ بھی انہی کے تربیت یافتہ تھے۔ خلافت کے بارے میں ان کا مؤقف بھی اپنے بڑوں کے عین مطابق تھا، لیکن انہوں نے دیکھا کہ بعد والے اس معیار پر پورے نہیں اتر رہے۔

آپ نے ان کو حق پر نہیں سمجھا، لہٰذا ان کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ ڈٹ گئے اور جانیں قربان کر دیں۔ جبکہ پہلے والوں کو ان حضرات نے حق پر سمجھا تھا، اس لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ میدانِ کربلا میں خلافتِ راشدہ ثابت ہو رہی ہے، لہٰذا قیامت تک جو ''حسینیت زندہ باد'' کا نعرہ لگا رہا ہوگا، وہ درحقیقت ''خلافتِ راشدہ زندہ باد'' کا نعرہ لگا رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین!)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾
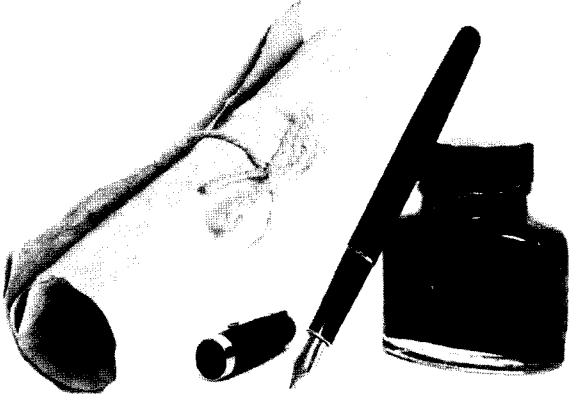
رحمتِ الٰہی سے فائدہ اٹھائیے

رحمتِ الٰہی سے فائدہ اٹھایئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (البقرۃ: ۱۴۳)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ:

﴿وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا﴾ (الاحزاب: ۴۳)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ:

﴿نَبِّیْٔ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ (الحجر: ۴۹)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ:

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ (الاعراف: ۱۵۶)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دو ناموں میں رحمت کی طرف اشارہ:

اللہ رب العزت کے ننانوے صفاتی نام ہم سب کو معلوم ہیں۔ ہم پڑھتے رہتے ہیں۔ ان میں سے دو نام ہیں، رحمان اور رحیم۔ دونوں کا تعلق رحمت کے ساتھ ہے۔ ظاہر نظر میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی نام کافی تھا، جو رحمت کی طرف اشارہ کرتا۔ دونوں نام رحمان اور رحیم، رحمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کو ایک مثال سے سمجھیے!

ایک ہوتا ہے آدمی کا مال دار ہونا اور ایک ہوتا ہے اس کا سخی ہونا۔ یہ دو الگ الگ صفتیں ہیں۔ مال دار ہونا الگ صفت ہے اور سخی ہونا الگ صفت ہے۔ ممکن ہے آدمی مال دار ہو، مگر اس کو خرچ کرنے کی عادت نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سخی تو بڑا ہو، مگر ہاتھ میں پیسہ نہ ہو۔

وہ بندہ بڑا خوش نصیب ہے جس کے پاس مال بھی ہو اور اسے مال خرچ کرنے کی عادت بھی ہو۔ اللہ رب العزت نے اپنے لیے جو دو نام بنائے، رحمان اور رحیم، ان کا مقصد اس مثال سے آسانی سے سمجھ آ سکتا ہے کہ اللہ رب العزت وہ ذات ہے جس کی رحمت بھی بے انتہا ہے اور اس کی رحمت، خرچ بھی بے انتہا و بے حساب ہو رہی ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے لیے دو لفظ پسند فرمائے اور ان دونوں کا ذکر ''بسم اللہ'' میں کیا گیا۔

﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾

''اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، جو رحمان اور رحیم ہے۔''

عمومی رحمت کا اعلان:

قرآن پاک کی جو آیت بیان کی گئی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحجر:۴۹)

''میرے محبوب! میرے بندوں کو بتا دو کہ بے شک میں بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہوں۔''

یہ بات کب کہی جاتی ہے؟ جب کچھ دینے کا ارادہ ہوتا ہے، کہ میرے بندوں کو بتا دو! میں بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہوں۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''بے شک اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بڑا ہی شفیق اور رحیم ہے۔''

اس کی صفتِ رحمت بڑی عجیب ہے۔ اس کی رحمتیں ہر وقت ہم پر برس رہی ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہی تو ہے کہ ہم من مرضی کی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں اور پھر اللہ رب العزت ہم سے اپنی نعمتیں واپس بھی نہیں لیتے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ ستاری کا صدقہ:

حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی، اس بھول کی وجہ سے اللہ نے ان کو جو جنت کی پوشاک پہنائی تھی، وہ واپس لے لی اور جنت میں جو مقام دیا تھا، اس کے بجائے دنیا میں بھیج دیا اور اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کر کے ساری مخلوق کو بھی بتا دیا۔ پوشاک لے لی۔ جنت سے دنیا کے اندر بھیج دیا۔ اس کا تذکرہ ساری مخلوق میں کر دیا۔

اب اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھیں کہ ان سے تو بھول ہوئی تھی اور ہم سے گناہ ہوتے ہیں۔ گناہ کہتے ہیں: ''اللہ کے حکموں کی ارادتاً نافرمانی کرنے کو۔ تو ہم ارادتاً گناہ کرتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ رب العزت ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں! کتنے لوگ ہیں جو کپڑے اتار کر گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دوبارہ ان جسموں پر کپڑے واپس لوٹا دیتا ہے۔ اگر وہ کپڑے واپس نہ لوٹاتا، لباس چھین لیتا تو میرے دوستوں! آج ہم کتنے لوگ ہوتے جو معاشرے میں بے لباس زندگی گزار رہے ہوتے۔

ہم گھر سے نکل کر گناہ کرتے ہیں اور میرا مولا پھر بھی ہمیں گھر واپس لوٹا دیتا ہے۔ ہم گناہ کرتے ہیں اور میرا پروردگار اس پر ستاری کرتا ہے۔ ان گناہوں کو چھپا دیتا ہے۔ جبکہ آدم علیہ السلام کی بھول کا ساری مخلوق میں تذکرہ کیا۔ اگر وہ ہمارے گناہوں کا بھی ساری مخلوق میں تذکرہ کر دے تو کیا بنے؟ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ اس لیے ہمارا اس دنیا میں عزت کی زندگی گزارنا اللہ تعالیٰ کی صفت ستاری کا صدقہ ہے۔

دوطرفہ رحمتیں:

پہلی قومیں جب گناہ کرتی تھیں تو ان پر ایک ایک گناہ کی وجہ سے بڑے بڑے عذاب آجاتے تھے۔ لیکن آج دیکھیے کہ ہم کتنے بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں، مگر رحمت للعالمین کی دعائیں ہمارے اوپر سے ان عذابوں اور بلاؤں کو ٹالے ہوئے ہیں۔ ہمارے پیغمبرِ اسلام بھی رحمت للعالمین اور ہمارا پروردگار بھی رحمان اور رحیم ہے۔ دونوں طرف رحمتوں کا معاملہ ہے۔

امت کی اتنی فکر!!!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اللہ رب العزت نے ہر نبی کو اس دنیا میں ایک ایسی دعا کی اجازت دی کہ جس کو پورا کر دیا جائے گا۔ من وعن اسی طرح پورا کر دیا جائے گا۔ اختیار دے دیا کہ جو مانگو گے اسی طرح پورا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے بھی دعا

مانگی، ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی، عیسی علیہ السلام نے بھی دعا مانگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو بھی پھر اختیار دیا گیا؟'' فرمایا: ''ہاں! مجھے بھی دیا گیا۔'' پوچھا: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کیا دعا مانگی؟'' فرمایا: ''میں نے اپنے لیے دنیا میں کوئی دعا نہیں مانگی۔ اس دعا کو میں نے اپنے لیے ذخیرہ بنا دیا ہے۔ جب امت قیامت کے دن حساب دے رہی ہوگی تو میں اس وقت دعا مانگوں گا اور اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرا آخری امتی جنت میں داخل نہیں ہو جائے گا۔ سبحان اللہ! (بخاری، رقم: ۶۳۰۵، مصنف عبدالرزاق، رقم: ۲۰۸۶۴)

اللہ کی صفتِ رحمت کبھی جدا نہیں ہوتی:

اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں۔ اس کی رحمت جلال اور غصے کے وقت بھی ختم نہیں ہوتی۔ مثلاً: باپ کو دیکھیں کہ وہ شفیق ہوتا ہے، لیکن جب غصے میں آتا ہے تو شفقت ایک طرف، اب غصے میں ہے۔ بیٹا کوئی بات کرتا ہے تو کہتا ہے: ''خبردار! میرے سامنے مت آؤ۔'' کیوں؟ اس لیے کہ غصے میں ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ کچھ اور ہے، اس کی صفتِ رحمت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اگر وہ کسی سے خوشی کی حالت میں خوش ہے اور وہ رحیم ہے تو عین اس وقت جب وہ کسی پر غصے میں ہے، جلال میں ہے، تب بھی اس کی رحمت کی صفت موجود ہوتی ہے۔ یہ معرفت شیطان کو بھی معلوم تھی۔ جب اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ (الحجر: ۳۴)

''نکل جا یہاں سے! تو مردود ہے۔''

اس کو پتہ تھا کہ اللہ رب العزت جلال میں ہیں۔ اس سے بڑی نافرمانی اور کیا ہو سکتی تھی

کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا؟ اس نے عین جلال کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ (الحجر:۳۶)

''اے اللہ! مجھے قیامت تک کے لیے مہلت عطا فرما دے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ (الحجر:۳۷)

''ہم نے تجھے قیامت تک کے لیے مہلت عطا فرما دی۔''

جو پروردگار اپنے جلال کے عالم میں بھی رحیم ہے، وہ خوشی کے عالم میں کتنا رحیم ہوگا!؟ ہم اس کے بندے ہیں، اگر ہم اس کی بندگی کریں گے تو اس کی رحمتیں ہمارے اوپر چھم چھم برسیں گی۔ اس رحمت کو کھینچنے والے مقناطیس اعمال ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن پاک ہے۔ یہ رحمت کو کھینچنے کا مقناطیس ہے۔ فرمایا:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

(الاعراف:۲۰۴)

''اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو تم اس کو سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

ذکرِ الٰہی رحمتِ الٰہی کا سبب ہے:

کئی اعمال ایسے ہیں جن کو کرنے سے اللہ رب العزت کی رحمت برستی ہے۔ مثلاً: کسی جگہ مختلف قبیلوں اور جگہوں سے آئے ہوئے بندے اگر اللہ تعالیٰ کی یاد میں بیٹھیں تو اللہ رب العزت کی اس مجمع پر رحمت برستی ہے۔

"اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ غَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللهِ یَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَ یَتَدَارَسُوْنَ بَیْنَهُمْ" (صحیح مسلم، رقم:۴۸۶۷)

''کوئی بھی جماعت یا قوم اللہ کے گھر میں اللہ رب العزت کو یاد کرنے کے لیے بیٹھے تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔''

یہ اللہ کے محبوب ﷺ فرما رہے ہیں۔

آپ یہاں آ کر اکٹھے ہوئے تو کوئی کاروبار تو مقصد نہیں تھا، کوئی دنیا کی چیز کا بھی مقصد نہیں تھا۔ مقصد فقط اللہ رب العزت کی یاد تھی۔ گویا ایسی محفلیں جہاں لوگ اللہ رب العزت کی یاد کے لیے اکٹھے ہوں، ان پر اللہ رب العزت کی رحمت برس رہی ہوتی ہے۔ جب اس طرح بیٹھ کر اس کے بندے اس کو یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوتے ہوں گے!؟

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے:

اللہ رب العزت بڑے رحیم ہیں۔ اتنے رحیم ہیں کہ اس کی رحمت انسان کی مغفرت ڈھونڈتی ہے۔ اس لیے فارسی میں کسی نے کہا:

؎ رحمتِ حق بہا نہ می جوید
رحمتِ حق بہانہ می جوید

''بہا'' قیمت کو کہتے ہیں۔ جیسے بیش بہا (بیش قیمت) بہا سے بھاؤ کا لفظ نکلا۔

''اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی، اللہ کی رحمت تو بہانہ مانگتی ہے۔''

جب اللہ رب العزت کی رحمت مغفرت کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہے تو میرے دوستو! ہم مغفرت کے لیے بہانے بھی نہ پیش کر سکیں، پھر تو ہم بہت ہی گئے گزرے ہوں گے۔ بہانہ کیا؟ ہم اس کی یاد کے لیے آئیں، بیٹھیں تو تائب ہو جائیں۔ یہ مغفرت کا بہانہ بن جائے گا کہ یہ بندہ آیا، محفل میں بیٹھا اور اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو

کر رو پڑا۔اس نے آئندہ گناہوں سے توبہ کرنے کا ارادہ کیا۔توبہ کی کہ آئندہ نیکوکاری کی زندگی گزاروں گا۔ یہ چیز اللہ رب العزت کی رحمت کو جوش دلاتی ہے۔ پھر اس کی رحمت بندوں پر خوب برستی ہے۔

آؤ میرے بندوں! آؤ!:

اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ بندوں کو جہنم میں بھیجیں۔وہ تو بلاتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ (یونس:۲۵)

''اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلا رہا ہے۔''

وہ تو مالک الملک ہیں۔اس نے بلا لیا، آؤ میرے بندوں! آؤ میرے سلامتی والے گھر کی طرف۔ میں نے تمہارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنایا ہوا ہے۔ہاں! بندے خود اس کی طرف متوجہ نہ ہوں تو پھر کیا کریں؟

شیطان کی خوش فہمی:

ایک بزرگ جن کا نام عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔راستے میں ان کو کہیں شیطان مل گیا۔شیطان ان سے کہنے لگا: ''عبداللہ! میری بھی مغفرت ہو جائے گی؟'' انہوں نے کہا کہ تیری مغفرت تو نہیں ہوگی۔وہ کہنے لگا: ''نہیں! قرآن مجید میں ہے:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

''بے شک میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔''

میں بھی ایک شے ہوں، اس کی رحمت میرے اوپر بھی ہوگی اور میری بخشش ہو جائے گی۔'' وہ فرمانے لگے: ''نہیں نہیں! یہ تو ایمان والوں کے لیے ہے۔

﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

شیطان کہنے لگا: ''یہ تو تیری لگائی ہوئی شرط ہے۔ اس نے تو فرمادیا:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

اب ''کُلّ'' میں سے، تو مجھے کیوں نکال رہا ہے؟ یہ تو تُو نکال رہا ہے۔ اس نے تو ''کُلّ'' کا لفظ استعمال کرلیا۔'' جب اس نے یہ بات کی تو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے حیران ہوئے اور وہ مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا کہ اس سے تو اچھا تھا کہ تو کوئی جواب نہ دیتا۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

یہ واقعہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو بیان کر کے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اگر شیطان مردود سے میرا آمنا سامنا ہوتا تو میں اسے اس بات کا جواب دیتا۔ شاگردوں نے پوچھا: ''حضرت! آپ کیا جواب دیتے؟'' فرمایا: ''میں جواب دیتا کہ

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اللہ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور شیطان! تو بھی ایک چیز ہے، مگر جو چیز اس رحمت میں خود نہ آنا چاہے پھر اس کا علاج کون کرے؟ اللہ کی رحمت تو چاہتی ہے کہ ہر چیز میرے اندر آجائے، لیکن جو خود ہی رحمت کی چادر کے نیچے نہ جانا چاہے تو کیا کیا جا سکتا ہے؟ میں کہتا کہ مردود! تو اگر سجدہ کر لیتا تو رحمت کی چادر میں تجھے بھی جگہ مل جاتی، تو نے تو خود انکار کر دیا تھا۔

موقع سے فائدہ اٹھائیں!

میرے دوستوں! ہم بھی اسی طرح اپنی غفلت کی وجہ سے کئی مرتبہ اللہ کی رحمت کی چادر کے نیچے جانے سے غفلت برتتے ہیں۔ گناہوں پہ گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت ہمیں ایسے موقعے دیتی ہے، جہاں بیٹھ کر ہم اللہ کے حضور توبہ کر سکتے ہیں، مگر ہم ان موقعوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ہم وہ موقعے گنوا دیتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے خود ہی محروم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ بندے جہنم میں جائیں۔ اس نے فرمایا:

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (النحل: ۳۳)

''ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا، یہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔''

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اتمام حجت کی۔

...... پہلے اپنا دین بھیجا۔

...... انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔

...... اپنی کتاب بھیجی۔

...... اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک تک شہید کروا دیے۔

یہ کس لیے تھا؟ اس لیے تھا کہ میرے بندوں کو پتہ چل جائے کہ میں خود اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنا چاہتے ہیں کہ تم میری رحمت میں داخل ہو جاؤ۔ میرے دوستوں! ہم خود غافل ہوتے ہیں۔

اللہ بھی بندے کو یاد کرتا ہے:

اس کی رحمت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ فرمایا:

''فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ''

''(اگر میرا کوئی بندہ) مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔''

اب ذرا سوچیں کہ آدمی اپنے محبوب کا تصور کر کے کتنا خوش ہوتا ہے کہ اگر میں اسے یاد کر رہا ہوں تو وہ بھی مجھے یاد کر رہا ہو۔ دنیا میں کسی سے تعلق ہو تو پوچھتے ہیں کہ ہمیں بھی کبھی یاد کیا کہ نہیں؟ ارے! دنیا کے لوگوں کو تو پوچھنا پڑتا ہے کہ ہمیں یاد کیا یا نہ کیا؟ میرا مولا اتنا کریم و رحیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو بتلا دیا کہ اگر تم مجھے اپنے دل میں یاد کرو گے تو بندو! میں بھی تمہیں اپنے دل میں یاد کروں گا۔

''فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَإٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَإٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ.''

اگر وہ محفل میں بیٹھ کے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی محفل میں یاد کرتا ہوں کہ دیکھو! یہ میرا کیسا بندہ ہے؟ یہ بیٹھا مجھے یاد کر رہا ہے، میں فرشتوں میں اس کے تذکرے کرتا ہوں۔

اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت چل کے آتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دو بالشت جاتی ہے۔ ایک ہاتھ آتا ہے تو دو ہاتھ جاتی ہے۔

''وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً.'' (صحیح بخاری، رقم: ۶۸۵۶)

''اور اگر وہ میری طرف چل کے آتا ہے، تو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر جاتی ہے۔''

کتنی عجیب بات ہے کہ اگر ہم اللہ کی طرف چل کر آئیں گے تو اس کی رحمت ہماری طرف دوڑ کے آئے گی۔ سبحان اللہ!

آپ اس محفل میں اپنے گھروں سے چل کے آئے تو گویا اللہ کی رحمت یہاں تیزی سے نازل ہوگی۔ جیسے کوئی دوڑ کر آتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ میں اپنے بندوں کی مغفرت

کر دوں۔ بندے کو معاف کر کے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں کہ بندے نے مجھ سے معافی مانگی۔ چلو میں بھی اس کی خطائیں معاف کرتا ہوں۔

اگر بندہ گناہ نہ کرے تو......:

اگر بندے گناہ ہی نہ کریں تو اس کی معافی والی صفت کا اظہار کیسے ہو؟ اگر ایک آدمی بڑا سخی ہے، مگر اس کے دروازے پہ کوئی مانگنے ہی نہیں جاتا تو اس کی سخاوت کیسے ظاہر ہوگی؟ اس کی سخاوت کے ظہور میں سوال کرنے والے کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے، مگر جب کوئی بندہ اس کے دروازے پہ جاتا ہے تو اس رحمت کو اور موقع مل جاتا ہے۔ اس لیے میرے اللہ اپنی صفت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے بندوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

میرے دوستوں! اگر کوئی آدمی سخی مشہور ہو اور اس کے دروازے پہ کوئی مانگنے کے لیے چلا جائے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں سخی مشہور ہوں، میرے دروازے سے یہ خالی نہ جائے۔

ذرا سوچیں! اگر دنیا کا کوئی بندہ اپنے دروازے سے کسی کو خالی بھیجنا اپنا عیب سمجھتا ہے، تو کیا سمجھتے ہیں اس مالک الملک کے بارے میں، جس کے پاس زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں ہیں، اگر کوئی اس کے دروازے پر آ کر سوال کرے گا تو پروردگارِ عالم اس کو کیسے خالی واپس لوٹا دیں گے؟ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ خالی لوٹا دے۔ اخلاص کے ساتھ آئیں گے تو جھولیاں بھر کے جائیں گے۔ اگر دل میں کوئی غفلت ہوگی تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ یاد رکھیے! ایسی محفلیں ہمیشہ نہیں مل سکتیں۔ یہ بھی قدرت کی طرف سے انعام ہوتا ہے کہ بندے کو بھی کسی محفل میں بیٹھ کے خیر کی کوئی بات سننے کا موقع ملے۔

شفاعت کی اجازت بھی رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے:

جب جہنمیوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان کو ان کے گناہوں کے بقدر سزا ملے گی اور پھر ان میں سے ایمان والوں کو جنت میں بھیجا جائے گا، حتیٰ کے ایک ایسا وقت آئے گا کہ سب ایمان والے جنت میں چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے کہ اگر آپ بھی کسی کی سفارش کرنا چاہیں تو آپ بھی شفاعت کریں۔ میں اس بندے کو بھی جہنم میں سے نکال لیتا ہوں۔ اب جنتی جہنمیوں کو دیکھیں گے اور شفاعت کریں گے، حتیٰ کہ ایک جہنمی ایک جنتی کو دیکھ کر کہے گا: ''آپ وہی ہیں نا، دنیا میں فلاں موقع پر آپ کو پیاس لگی ہوئی تھی، آپ نے پانی مانگا اور میں نے پانی کا پیالہ بھر کے آپ کو دیا تھا؟'' وہ یاد کر کے کہے گا: ''ہاں!'' تو وہ جہنمی کہے گا: ''اس عمل کے بدلے تم میری سفارش کرو۔'' وہ سفارش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک پیالہ پانی کا پلانے کے بدلے جہنم سے بری فرما دیں گے۔ اللہ کے نیک بندوں کو اگر پانی کا پیالہ پلایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ جہنم سے نکال کے جنت عطا فرما دیں گے۔ اس کی رحمت کا معاملہ ایسا ہے۔

حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا جب کوئی جنتی ایسا نہیں ہوگا جو کسی کی سفارش کرے۔ تو پھر للہ تعالیٰ انبیاء کو حکم فرمائیں گے۔ پھر انبیاء شفاعت فرمائیں گے۔ جب انبیاء بھی شفاعت فرما چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ آج جہنم سے ہر اس بندے کو نکال لو جس کی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی ندامت کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکلا ہو۔

میرے دوستو! اگر مکھی کے سر کے برابر آنسو بھی جہنم سے نکال سکتا ہے تو آج ہم اگر اپنے گناہوں پہ نادم ہو کر روئیں گے تو اللہ رب العزت ہمیں جہنم سے بچا کر سیدھا

جنت عطا فرمائیں گے، بلکہ اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالیں گے۔

دو گنہگاروں کی بخشش:

قیامت کا دن ہوگا۔ دو بندوں کو اللہ رب العزت اپنی طرف بلائیں گے۔ فرمائیں گے کہ تم نے دنیا میں برے اعمال کیے، غفلت کی زندگی بسر کی، تمہاری نیکیاں کم ہیں، برائیاں زیادہ ہیں۔ لہٰذا تمہیں جہنم بھیجا جائے گا۔ جاؤ! جہنم میں چلے جاؤ۔ جب ان کو حکم ہوگا تو ان میں سے ایک جہنم کی طرف بھاگنے لگے گا۔ دوسرا تھوڑا چلے گا پھر پیچھے مڑ کے دیکھے گا، پھر تھوڑا چلے گا، لیکن مڑ کر دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو واپس بلائیں گے اور پہلے سے پوچھیں گے کہ کیا بات ہے میں نے تجھے جہنم جانے کے لیے کہا تو اسی وقت بھاگ پڑا؟ وہ کہے گا: ''ربِ کریم! دنیا میں تو تیرے حکموں کی فرمانبرداری نہیں کی تھی، تیری طرف سے یہ آخری حکم ملا تھا، میں نے کہا کہ میں اس حکم کی فرمانبرداری کرلوں۔ میں جہنم کی طرف بھاگ پڑا۔ اور پھر دوسرے کو بلا کے پوچھیں گے کہ تم پیچھے مڑ کے کیوں دیکھ رہے تھے؟ وہ جواب دے گا کہ اے میرے رب! مجھے آپ سے یہ امید تھی کہ آپ مجھے ایک دفعہ جہنم سے نکال کر دوبارہ اس میں نہیں ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ اتنے خوش ہوں گے کہ ان دونوں کو جنت عطا فرمادیں گے۔ (التذکرۃ للقرطبی: ۱/ ۴۱۲)

اب سوچیے! جو مالک اتنا رحیم و کریم ہے پھر اس سے گناہوں کو نہ بخشوانا ہماری شقاوتِ قلبی کی علامت ہوگی اللہ کو رو رو کر منالیں۔

اگر ایک ماں اپنے بیٹے سے خفا ہے اور اس کا بیٹا بڑی مدت کے بعد اپنی ماں سے ملنے آتا ہے۔ ماں کہتی ہے: ''میں اس بیٹے کو ملنا ہی نہیں چاہتی۔'' روٹھی ہوئی ہے۔ اب بیٹا سامنے آتا ہے، منت سماجت کرتا ہے۔ ماں کہتی ہے: ''میں تجھے نہیں ملنا چاہتی، تو

نے مجھے دکھ دیے، میرے دل کو تکلیف دی۔ میں تجھ سے ناراض ہوں۔

وہ بیٹا منت سماجت کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ آگے بڑھ کر اپنی ماں سے معافی مانگ لیتا ہے۔ پاؤں پکڑ لیتا ہے، ہاتھ جوڑ دیتا ہے، امی مجھے معاف کریں۔ ماں اسی پر خوش ہو جائے گی کہ چلو میرے بیٹے نے معافی مانگ لی۔ اگر وہ اس سے بھی زیادہ ناراض تھی تو وہی بیٹا اگر آگے بڑھ کر ماں کے پاؤں پکڑ لیتا ہے اور رو پڑتا ہے۔ ماں کا دل جتنا بھی سخت تھا، بیٹے کے آنسو دیکھ کر اس کا دل پسیج جاتا ہے۔ وہ اپنے دوپٹے سے بیٹے کے آنسو پونچھتی ہے۔ اپنے بیٹے کو روتا نہیں دیکھ سکتی۔ جس ماں میں محبت ہے اس کو اپنے بیٹے کے آنسو دیکھنا گوارا نہیں اور جس پروردگار کو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت ہے، جب اس کے سامنے اس کے بندے روئیں گے تو وہ ان کو معاف کیوں نہیں فرمائیں گے؟

اس لیے ہم اللہ رب العزت سے معافی مانگیں اس کی رحمت ہوگی اور وہ ہماری بخشش فرمادیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾
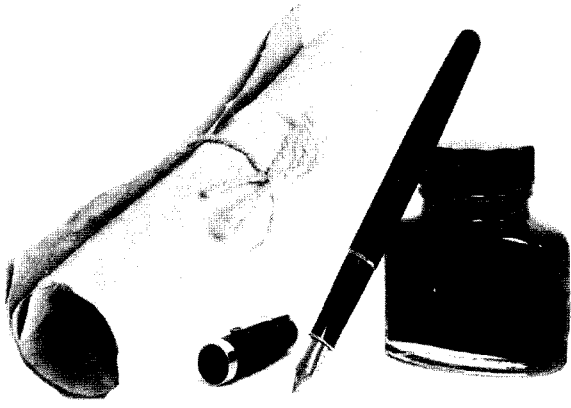
خواتینِ اسلام کا علمی ذوق

خواتینِ اسلام کا علمی ذوق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی مَقَامٍ آخَرَ:

﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾

(المجادلہ:۱۱)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

﴿طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ﴾ (ابن ماجہ، رقم:۲۲۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ٥ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ٥

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آئینِ زندگی:

دینِ اسلام انسانیت کے لیے ایک نعمت ہے۔ یہ آئینِ زندگی ہے۔ قرآن مجید حقیقتوں کا مجموعہ اور سچائیوں سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ یہ خزانہ ہمارے پاس موجود ہے جو علم کا سب سے بڑا بنیادی ذخیرہ ہے۔ یہ علم حاصل کرنا مرد کے لیے بھی ضروری ہے اور عورتوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" (ابن ماجہ، رقم: ۲۲۴)

''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔''

عورتیں بھی علم حاصل کریں:

عام طور پر عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارے ذمے صرف گھر کے کام کاج ہیں۔ ہم نے بچوں کی پرورش کرنی ہے۔ کھانے پکانے کا خیال رکھنا ہے۔ گھر کی باقی اندرونی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ یہ ایک پہلو ہے، جو مخلوق سے متعلق ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس عورت نے اپنے رب کو راضی کرنا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری کرنی ہے۔ اس دنیا میں اللہ کی بندی بن کر زندگی گزارنی ہے۔ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنا ہے۔

اس کے لیے اسے پہلے قدم پر علم حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جس آدمی کو علم نہ ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے اسے راستے کا پتہ نہ ہو، ناواقف آدمی تو بھٹکتا پھرتا ہے۔ گھر کے قریب بھی ہو تو اسے گھر کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن جس آدمی کو منزل کا پتہ ہو، اس کا گدھا لنگڑا بھی ہو تو وہ اس لنگڑے گدھے کو بھی منزل پہ پہنچا دیتا ہے۔ علم کا حاصل کرنا حقیقت میں زندگی

کی رہنمائی حاصل کرنا ہے۔اس لیے یہ جہاں مردوں پر فرض ہے اس طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔

عورتوں کی دینی تعلیم کے لیے جتنی کوششیں ہونی چاہییں وہ آج پوری نہیں ہو رہیں۔ مردوں کو تو مواقع ملتے رہتے ہیں۔اس لیے کہ پانچ نمازوں کے لیے اگر مسجد میں گئے تو کبھی درسِ قرآن سن لیا، کبھی درسِ حدیث سن لیا، کبھی باہر سے آئی ہوئی جماعت کا بیان سن لیا، کبھی کوئی شیخ آئے تو ان کا بیان سن لیا، مگر عورتیں بیچاریاں گھروں میں رہتی ہیں، گھر کے کام کاج دیکھتی ہیں۔ذمہ داریاں پوری کرتی ہیں۔ان کو ایسی مجالس کا موقع کم ملتا ہے۔

اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں:

ایک تو لوگوں کو ایسے اعتماد والے ادارے نہیں ملتے جہاں وہ اپنی بچیوں کو بھیجیں، اگر ہیں تو کم ہیں۔ جبکہ اسکولوں کو دیکھو تو آپ کو ہر ایک گلی میں اسکول نظر آئے گا اور بچیوں کے دینی مدارس کو دیکھو تو محلے میں ایک بھی نظر نہیں آئے گا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کے دل میں دنیا کی تعلیم حاصل کرنے کی جتنی اہمیت ہوتی ہے، عام طور پر بچیوں کو دینی تعلیم دلوانے کی اتنی اہمیت ان کے دل میں نہیں ہوتی۔ ہر گھر میں باپ سوچے گا کہ میری بچی بی اے کرے، ایم اے کرے، لیکن شاید ہی کبھی اس کے دل میں خیال آیا ہو کہ میری بچی بخاری شریف پڑھے یا تفسیر پڑھے۔اب اس بچی کو اگر دنیوی تعلیم دلوانی ہے تو ضروری ہے کہ اس کو دین کا علم بھی حاصل ہو۔

پہلے زمانے میں علماء حضرات اپنی عورتوں کو اپنے گھروں میں ہی پڑھا لیا کرتے تھے۔تو ہر ہر گھر ایک مدرسہ بنا ہوا ہوتا تھا، لیکن آج وہ کیفیت نہیں ہے۔لہٰذا ضروری

ہے کہ جہاں بھی بچیوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو، لوگ وہاں اپنی بچیوں کو بھیجیں، تا کہ بچیاں زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو جائیں اور وہ اپنے پروردگار کو راضی کر سکیں۔

صحابیات میں دینی جذبہ:

عورتوں میں دین کی محنت کرنے کا جذبہ بہت نمایاں نظر آتا ہے، صحابیات کی زندگی پر نظر ڈالیں تو یہ دین کے میدان میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں، بلکہ انہوں نے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ مثال کے طور پر:

- ......علماء نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں سے صاحبِ فتویٰ یعنی جو صحابہ عالم سمجھے جاتے تھے اور دوسرے صحابہ ان سے مسائل پوچھ کر ان پر عمل کرتے تھے، ان کی تعداد ایک سو انچاس تھی۔ ان ایک سو انچاس میں سے بھی چودہ ایسے تھے، جو بہت ہی نمایاں تھے کہ یہ ایک سو انچاس بھی ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان چودہ کو اگر دیکھیں تو ان میں سے ایک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ام المومنین نے اتنا علم حاصل کیا کہ وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے پردے میں مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔
- ......اس امت میں قرآن پاک کی حافظہ بننے کا سب سے پہلے اعزاز بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا۔
- ......یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب قرآن مجید اترا تو لسانِ نبوت سے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے) سب سے پہلے قرآن مجید سننے کا شرف بھی ایک عورت کو نصیب ہوا، جن کا نام سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھا۔

○ ...... یہ بھی مزے کی بات ہے کہ جب اسلام کی ابتداء ہوئی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو دین کی دعوت دی تو اسلام میں شہادت کا سب سے پہلا رتبہ بھی ایک عورت نے پایا، جن کا نام سمیّہ تھا۔

دیکھیے! اس وقت کی عورتیں کتنے بڑے بڑے اعزاز پا رہی ہیں اور دین کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں دے رہی ہیں!!

تعمیرِ شخصیت میں عورت کا کردار:

اگر آپ غور کریں تو آپ کو ہر بڑی کامیاب شخصیت کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا کردار نظر آئے گا۔ کبھی ماں کی شکل میں، کبھی بیوی کی شکل میں، کبھی بہن کی شکل میں اور کبھی بیٹی کی شکل میں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کردار:

آپ دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سید الاولین و الآخرین ہیں۔ جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

"لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ"

"مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔"

اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جنھوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا: "اے اللہ کے محبوب! "کَلَّا" ہرگز نہیں! "وَاللہِ! اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ" آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، مہمان نوازی کرنے والے ہیں، جن کے پاس کچھ نہیں ان کو کما کر دینے والے ہیں اور دین کے کام میں دوسروں کی مدد کرنے والے ہیں۔ ان صفات کی وجہ سے اللہ

تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کریں گے'' لہٰذا آپ ﷺ کے دل کو تسلی مل جاتی ہے۔(بخاری، رقم: ۳)

تو آپ ﷺ کے پیچھے جو تعاون تھا اس میں آپ کو ایک خاتون نظر آئے گی، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کی حیثیت رکھتی تھیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنے مال کو بھی پیش کر دیا اور اپنی جان کو بھی پیش کر دیا۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس وقت ساتھ اور سہارا دیا، خدمت کی، جس وقت آپ کو اپنے قریبی رشتہ دار بھی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بلند و بالا شخصیت کے پیچھے آپ دیکھیں تو آپ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قربانیاں نظر آئیں گی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ خطاب کا کردار:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھیے! گھر سے تلوار لے کے نکلتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دوں۔ راستے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: ''کہاں جا رہے ہو؟'' انہوں نے بتایا تو ان صحابی نے کہا: ''ذرا اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں۔'' جب انہوں نے یہ سنا تو ان کو بڑا غصہ آیا۔ یہ وہیں سے بہن کے گھر گئے۔ جب یہ دروازے کے پاس آئے تو انہوں نے سنا کہ وہ قرآن مجید کے کچھ الفاظ پڑھ رہے تھے اور ایک صحابی ان کو سکھا رہے تھے۔ دستک دی۔ بہن سمجھ گئی کہ عمر آیا ہے۔ چنانچہ جو صحابی ان کو پڑھا رہے تھے انہوں نے ان کو چھپا دیا۔ بہنوئی بھی چھپ گئے اور بہن نے دروازہ کھولا۔ اندر گئے تو انہوں نے پوچھا کہ بہنوئی کدھر ہے؟ وہ ان سے ملنے کے لئے باہر آ گئے۔ پوچھا کہ میں نے سنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہو؟ انہوں نے آگے سے جواب دیا کہ اگر اسلام سچا دین ہو تو پھر؟ بس یہ سننا تھا کہ

غصہ آ گیا اور اپنے بہنوئی کو مارنے کے لیے آگے بڑھے۔ بہن بچانے کے لیے درمیان میں آئیں تو ان کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ وہ نیچے جا گریں اور ان کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ وہ دوبارہ اٹھیں اور بھائی کے سامنے کھڑی ہو کر کہنے لگیں: ''عمر! جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے بھی پیا ہے۔ تم ہمارے جسموں سے جان تو نکال سکتے ہو، مگر ہمارے جسموں میں سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔''

یہ وہ الفاظ تھے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل پر بجلی بن کر گرے۔ انقلاب آ گیا۔ پوچھنے لگے: ''اچھا بتاؤ! تم ابھی کیا پڑھ رہے تھے؟'' یہ سن کر بہن نے کہا: ''تم ابھی پاک نہیں، جاؤ غسل کر کے آؤ! پھر تم اس کتاب کو پڑھنے کے قابل بنو گے۔'' چنانچہ وہ غسل کر کے آئے۔ اتنے میں وہ صحابی جو اندر چھپے ہوئے تھے وہ بھی باہر آ گئے۔ کہنے لگے: ''عمر! مبارک ہو! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ دنوں سے دعائیں کر رہے تھے ''اے اللہ! عمر بن الخطاب کے ذریعے یا عمرو بن ہشام کے ذریعے اسلام کو تقویت پہنچا۔'' مبارک ہو! اللہ نے تمہارے حق میں دعا کو قبول فرما لیا۔''

لہٰذا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لے کر دارِ ارقم میں پہنچے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کنڈی لگا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تعلیم دے رہے تھے۔ دستک دی۔ ایک صحابی نے سوراخ میں سے دیکھا کہ عمر بھی ہے اور ہاتھ میں تلوار بھی ہے۔ واپس جا کر کہا: ''اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! عمر غصے کی حالت میں تلوار لیے کھڑا ہے۔'' سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہنے لگے: ''عمر کے لیے دروازہ کھول دو۔ اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو اس کا آنا مبارک ہو۔ اگر نیت میں کوئی فتور ہوگا تو اسی کی تلوار ہوگی اور حمزہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن کو قلم کر کے رکھ دے گا۔'' چنانچہ جب دروازہ کھولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ کے تو تیور ہی بدلے

ہوئے تھے۔ اب نیاز مندی تھی اور ناز و انداز چلے گئے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے التحیات کی شکل میں بیٹھ کر عرض کرتے ہیں: ''اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے در پر گداگر بن کے آیا ہوں۔ جو نعمت آپ لے کر آئے ہیں میں بھی اس نعمت کو حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔'' چنانچہ اسلام لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہ کو اتنی خوشی ہوئی کہ سب نے مل کر تکبیر کا نعرہ ''اللہ اکبر'' بلند کیا اور ان کی آنکھوں سے خوشی کی وجہ سے آنسو نکل آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب نماز کا وقت ہوا تو صحابہ نے وہیں نماز پڑھنے کی تیاری شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''نہیں! اب تو عمر مسلمان ہو چکا ہے۔ میں چالیسواں مرد ہوں جو مسلمان ہوا ہوں۔ چلیے! اب تو حرم شریف میں جا کر نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ وہ ان کو لے کر حرم شریف میں آ گئے اور اعلان کیا کہ عمر بن خطاب کھڑا ہے، مسلمان سب کے سامنے عبادت کریں گے، جو اپنی بیوی کو بیوہ کروانا چاہے، بچوں کو یتیم کروانا چاہے، عمر کے ساتھ مقابلے کے لیے سامنے آئے۔ کفار میں کہاں ہمت تھی؟ سبحان اللہ! (اسد الغابۃ: ۱/۸۱۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کی بنا پر اللہ نے اسلام کو شان و شوکت عطا فرما دی۔ تو یہاں آپ کو ایک کامیاب انسان کے پیچھے ایک عورت کا کردار نظر آئے گا، جو ان کی بہن تھیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا کردار:

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ یہ ابوجہل کے بیٹے تھے اور پہلے کافروں کے جرنیل تھے۔ انہوں نے جنگِ بدر میں کفار کی طرف سے شرکت کی۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

بارے میں بہت ناپاک باتیں کیا کرتے تھے۔ جب فتحِ مکہ کا معاملہ چلا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی تو یہ اس خوف سے بھاگ گئے کہ کہیں میرے قتل کا حکم جاری نہ کر دیا جائے۔

یہ ایک کشتی پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ ان کی بیوی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ کہنے لگی: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ میرے خاوند کو اپنی پناہ عطا فرمائیے، امن دے دیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے امن دے دیا۔'' وہ پیچھے چلی کہ میں اپنے خاوند کا پتہ کروں۔ جب وہاں پہنچیں تو دیکھا کہ وہ ایک کشتی میں بیٹھ کر اپنا سفر شروع کر چکے ہیں۔ انہوں نے دوسری کشتی لی اور تیزی سے سفر کرتی ہوئی ان کے قریب اپنی کشتی لائیں۔ اور ان سے بات کی کہ آپ واپس آ جائیے۔ کہنے لگے: ''مجھے قتل کر دیا جائے گا۔'' وہ کہنے لگی کہ میں خود مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پیغمبر سے آپ کی پناہ لے چکی ہوں۔ چنانچہ یہ وہاں سے واپس آئے، اسلام قبول کیا اور یوں اسلام کے مجاہد بنے۔ اور ہمیں ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت نظر آئی جو ان کی بیوی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ (اسد الغابۃ: ۱/۷۸۱)

اسی طرح آپ دیکھتے چلے جائیں! آپ کو کتنے ہی ایسے واقعات نظر آئیں گے جو کہیں ماں کی شکل میں ہوں گے، کہیں بیوی کی شکل میں، کہیں بیٹی کی شکل میں اور کہیں بہن کی شکل میں۔ عورتیں بھی دینِ اسلام کی خدمت کے لیے اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ سبحان اللہ!

سیدہ اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا کا کردار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ مجھے میری ماں نے بچپن ہی سے سمجھایا تھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت رکھا کرو اور جا کر ان کی خدمت کیا

کرو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قیلولہ فرما رہے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر جو پسینے کے قطرے آتے یہ ان کو شیشیوں میں جمع کرلیتیں۔ وہ کہتیں کہ میں ان کو اپنے عطر کے اندر شامل کروں گی تو عطر کی خوشبو میں اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ امِ سلیم رضی اللہ عنہا پسینے کے قطروں کا ملا ہوا عطر دلہنوں کو لگایا کرتی تھیں اور مدتوں تک ان کے کپڑوں اور جسموں سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ سبحان اللہ!

یہ انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم بنے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لیے رزق میں، اولاد میں اور عزت میں برکت کی دعائیں کیں۔ چنانچہ یہاں ایک اور کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا کردار نظر آ رہا ہے، جو اُن کی ماں کی حیثیت رکھتی تھیں۔

(اسد الغابۃ: ۱/۷۹، سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۰۷)

عورتوں کی تربیتی مجالس کا ثبوت:

صحابیات دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ ان کو اس حد تک دین کا شوق ہوتا تھا۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ مرد حضرات تو ہم سے آگے نکل گئے۔'' پوچھا: ''وہ کیسے؟'' عرض کیا: ''وہ آپ کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم عورتیں گھروں میں رہتی ہیں، بچوں کی پرورش کرتی ہیں، ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہیں اور ہم وہ نیکیاں نہیں کرسکتیں جو وہ کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''سوال کرنے والی نے بہت اچھا سوال پوچھا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''جو عورت اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس مرد کے برابر اجر دیتے ہیں جو مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔'' اور یہ بھی فرمادیا کہ جو عورت بچے کی وجہ سے رات

کو جاگتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس مجاہد کے برابر اجر عطا فرما دیتے ہیں جو دشمنوں کی سرحد پر راتوں کو جاگ کر پہرہ دیا کرتا ہے۔ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے عورتوں کے لیے بدھ کا دن متعین فرما دیا تھا۔ اس دن صحابیات مسجد نبوی میں حاضر ہوتیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فقط عورتوں کو درس دیا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری، رقم: ۱۰۴)

یہیں سے ثبوت ملا کہ عورتوں کو درس دینے کی محفلیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔

صحابیات کے علمی ذوق کی ایک جھلک:

اس وقت کی عورتوں کے علمی مقام کا تو یہ عالم ہو گیا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ شادی بیاہ کے موقع پر حق مہر کے باندھنے میں افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں۔ کچھ بہت تھوڑا کر دیتے ہیں اور کچھ بہت زیادہ کر دیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک درمیانی مقدار متعین کر دی جائے۔ چنانچہ آپ نے ایک درمیانی مقدار کا اعلان کر دیا کہ آئندہ اس کے مطابق حق مہر باندھا جائے گا۔ جب آپ یہ بات کر کے اسٹیج سے نیچے اترے تو ایک عورت آئی جو کہ پردے میں تھی۔ قریب آ کر اس نے کہا: ''امیر المومنین! یہ فیصلہ آپ نے کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر کیا ہے یا انتظامی ضرورت کو سامنے رکھ کر کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میں نے یہ فیصلہ انتظامی ضرورت کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔'' وہ کہنے لگی: ''جب اللہ کے قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے تو پھر آپ کو قانون بنانے کی کہاں اجازت ہے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ (النساء: ۲۰)

''اگر تم میں سے کوئی مہر کے اندر بیوی کو سونے یا چاندی کا ڈھیر عطا کر دے۔''

جب اللہ نے قنطار ''ڈھیر'' کا لفظ استعمال کیا تو آپ اس مقدار کو کم کیسے کر سکتے ہیں؟
حضرت عمر رضی اللہ عنہ الٹے قدموں واپس آئے، پھر منبر پہ کھڑے ہوئے اور صحابہ کو پھر بلایا اور کہا کہ ایک بہن نے عمر کو مسئلے کی تحقیق سمجھا دی۔ آپ نے فرمایا: ''چونکہ حکم وضاحت کے ساتھ آچکا ہے، اس لیے اس کی مقدار متعین نہیں کر سکتے۔ یہ خاوند کی اپنی خوشی ہے جتنی مقدار چاہے متعین کر دے۔

(جامع الاحادیث للسیوطی، رقم: ۳۱۱۲۷، اتحاف الخیرۃ المھرۃ: ۴/۱۲۴)

دیکھیے! ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو ایک مسئلے کی وضاحت کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا علمی مقام عطا کیا۔ سبحان اللہ!

صحابیات کی علمیت کا ایک اور واقعہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں۔ ان کی عدالت میں وقت کے قاضی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آتی ہے اور کہتی ہے کہ میں آپ کو یہ بتانے آئی ہوں کہ میرا خاوند ساری رات عبادت کرتا ہے اور سارا دن روزہ رکھتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے۔ فرمانے لگے: ''اے عورت! تو اپنے خاوند کی بڑی تعریف کر رہی ہے؟'' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مسکرائے اور فرمانے لگے: ''اس عورت نے اشارے میں سوال کیا ہے اور فریاد کی ہے، تاکہ امیر المومنین اس کا حق دلائیں۔ امیر المومنین پوچھنے لگے: ''وہ کیسے؟'' انہوں نے کہا: ''عورت یہ کہنا چاہتی ہے کہ جب وہ ساری رات عبادت کرتا ہے اور سارا دن روزہ رکھتا ہے تو پھر بیوی کے حقوق کہاں گئے؟ اس کو اس کے حقوق دلائے جائیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت کی علمیت کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس نے کتنے پیارے انداز میں

فریاد پیش کی۔ انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب آپ اس کا فیصلہ بھی خود کریں۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ کہ خاوند کو اجازت ہے کہ وہ تین دن عبادت اپنی مرضی سے کرسکتا ہے، لیکن چوتھے دن کے لیے بیوی سے اجازت لینا ضروری ہوگی۔ یا پھر اس کو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزارنا ضروری ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ نے یہ مقدار کیسے متعین کی؟'' انہوں نے کہا: ''اللہ کا قرآن بتا رہا ہے کہ ایک مرد کو ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔تو اگر بالفرض کسی کی چار بیویاں ہوں اور وہ ان میں دن تقسیم کرے تو چوتھا دن ہر بیوی کا بنتا ہے۔ ہر تین دن کے بعد ایک دن عورت کا حق ہے کہ اس کی مرضی کے مطابق وقت گزارا جائے۔ آدمی وقت کو اپنی مرضی سے نہیں گزار سکتا۔

(کنزالعمال، رقم: ۴۵۹۴۳)

اس وقت کی عورتیں اتنی علمیت کا مقام رکھتی تھیں کہ ان کی بات چیت کے اندر بھی علمیت ظاہر ہوتی تھی۔

حجاج بن یوسف کے دور کا واقعہ:

حجاج بن یوسف ایک سخت گیر حکمران تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی نوجوان پر سختی کی تو اس کی بوڑھی ماں آئی اور اس نے حجاج بن یوسف سے کہا: ''اے حجاج! اگر تو ظلم بند نہیں کرے گا تو اللہ تجھے ایسے مٹا دے گا جیسے اس نے پہلے پندرہ پاروں سے لفظ ''کَلَّا'' مٹا دیا ہے۔'' تب لوگوں کو پتہ چلا کہ پہلے پندرہ پاروں میں کہیں ''کَلَّا'' کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوا۔ سبحان اللہ!

اللہ نے ان کو معرفت دی ہوتی تھی، علمی نکات بیان کرتی تھیں۔ یہی نہیں کہ

صحابیات کو یہ مقام حاصل تھا، بلکہ صحابیات کے بعد بھی یہی سلسلہ چلا۔

امام مالک کی بیٹی کا علمی ذوق:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ درس دیا کرتے تھے اور لوگ ان کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث سنا، پڑھا کرتے تھے۔ وہاں ایک جگہ پردہ لگا ہوا ہوتا تھا اور اس کے پیچھے آپ کی بیٹی بیٹھی ہوتی تھی۔ وہ حدیث کی طالبہ تھی۔ کبھی کبھی کوئی شخص قرأت کرتے ہوئے اگر کہیں غلطی کر جاتا تو ان کی بیٹی پردے کے پیچھے سے لکڑی پر لکڑی مار کر آواز پیدا کرتی۔ جب لکڑی کی آواز آتی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فوراً سمجھ لیتے کہ پڑھنے والے نے کہیں غلطی کی ہے۔ چنانچہ ان کی بیٹی وقت کے بڑے بڑے علما کی غلطیوں کو بھی درست کر دیا کرتی تھی۔ اللہ رب العزت نے اس کو اتنا علمی مقام عطا کیا تھا!! اس دور میں عورتوں کو شوق ہوا کرتا تھا۔ وہ قرآن کی بھی عالمہ ہوتیں تھیں اور حدیث کی بھی عالمہ ہوتیں تھیں۔ ان کی زندگی قرآن کی خدمت میں گزرا کرتی تھی۔ ان کی شروع سے اٹھان ہی ایسے بنائی جاتی تھی۔

کتابتِ قرآن کا ذوق:

کتابوں میں لکھا ہے کہ ابتدا میں جب پرنٹنگ پریس نہیں ہوتے تھے تو ہر آدمی کو اپنا قرآن مجید لکھنا پڑتا یا لکھوانا پڑتا تھا۔ اس وقت تعلیم یہ دی جاتی تھی کہ بچیاں جب تعلیم حاصل کر کے فارغ ہو جائیں تو اس وقت وہ گھروں میں ہوتی تھیں، ان کے لیے رشتوں کی تلاش ہوتی تو اس دوران کسی کو سال کا وقت ملتا، کسی کو دو سال کا وقت ملتا اور کسی کو تین سال کا وقت ملتا۔ چنانچہ بچی اپنے روز کے کام کاج مکمل کر لینے کے بعد

قرآن مجید کو اپنے ہاتھوں سے نہایت خوشخطی کے ساتھ لکھنا شروع کر دیتی۔ باوضو اس کا وقت گزرتا تھا۔ جب کبھی اس کا نکاح ہوتا تو اس بچی کو جہیز میں وہی قرآن پاک دیا جاتا تھا اور سسرال والوں کو بتایا جاتا تھا کہ میری بیٹی نے میرے گھر میں رہ کر اللہ کا قرآن لکھا ہے اور اس نے پاکدامنی کی زندگی گزاری ہے۔ یہ اپنے جہیز میں اللہ کے قرآن کو لے کر آ رہی ہے۔ سبحان اللہ! اس وقت اتنا علمی ذوق شوق ہوا کرتا تھا!!

عورتوں سے اکتسابِ علم:

حکیم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکپن میں سات ایسی عورتوں سے علم حاصل کیا ہے جو اس وقت حدیث کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ آج یہ چیزیں نظر نہیں آتیں کہ عورتیں گھروں میں حدیث کی تعلیم دینے والی ہوں۔ جب بیچاریاں خود ہی تعلیم نہیں پاتیں تو پھر دوسروں کو کیسے دے سکیں گی؟

اولاد بھی جہنم میں جانے کا سبب بن سکتی ہے:

بچیوں کو بھی اللہ نے سمجھ دی ہے۔ اگر یہ فزکس، کیمسٹری کو سمجھ سکتی ہیں، ڈاکٹر بن سکتی ہیں، انجینئر بن سکتی ہیں اور دنیا کے کاموں میں بڑے بڑے عہدے پا سکتی ہیں تو پھر دین کی تعلیم کیوں نہیں پا سکتیں؟ اصل تو دین ہی کی تعلیم ہے۔

اے بہن! کل اگر بیٹی سے اللہ نے یہ پوچھ لیا کہ تو نے بی۔اے کر لیا، ایم۔اے کر لیا، انگلش پڑھ لی، جرمن لینگویج پڑھ لی، بتا! تو نے میرے قرآن کا ترجمہ پڑھا تھا یا نہیں؟ اور اگر بیٹی نے کہا: ”مجھے تو فرصت نہ ملی یا ماں نے مجھے اس طرف توجہ ہی نہ دلائی تو تیری بیٹی کو بھی پکڑ لیا جائے گا اور اس کے پیچھے تجھے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

قرآن پاک میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ نوجوان بچوں کو ان کی بے عملی کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ وہ بارگاہِ ایزدی میں مقدمہ درج کریں گے اور کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار!

﴿اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ (الاحزاب:٦٧)

''ہم نے اپنے بڑوں کی اور باپ دادا کی پیروی کی ان کے حکموں کو مانا، انہوں نے ہمیں غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔''

میرے مولا! امی کہتی تھیں: ''تو نے گریجویٹ بننا ہے، میں نے بن کر دکھا دیا۔'' امی کہتی تھیں: ''تو نے ماسٹر ڈگری لینی ہے۔'' میں نے لے کر دکھا دی۔ امی کہتی تھیں: ''تو نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر بننا ہے۔'' میں نے بن کر دکھا دیا۔ انہوں نے ہی ہمارا رخ انگریزی تعلیم کی طرف موڑ دیا تھا۔ عربی کی طرف تو آنے ہی نہیں دیتے تھے۔ اللہ! اگر وہ ہماری دین کی طرف توجہ دلاتے کہ بیٹا! قرآن پڑھنا بھی ضروری، سمجھنا بھی ضروری، حدیث پڑھنی اور سمجھنی بھی ضروری، دینی زندگی بسر کرنا بھی ضروری ہے، تو اے اللہ! ہم دین دار بن جاتے۔ ہمیں ہمارے بڑوں نے ہی غلط راستہ دکھا دیا تھا۔

﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا﴾

(الاحزاب:٦٨)

''اے ہمارے رب! اب آپ ہی ان کو دوگنا عذاب دے دیجیے۔ اللہ! ان پر لعنتوں کی بارش برسائیے۔''

یہ خود بھی دنیا دار تھے، ہمیں بھی دنیا دار بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''میں تم سب کو دگنی لعنتیں بھیجوں گا اور دوگنا عذاب دوں گا۔ قیامت کے دن اولاد جہنم میں لے

جانے کا سبب بن جائے گی۔ آج وقت ہے ان کو دین پڑھا لیجیے! ان کو دین کی طرف متوجہ کر لیجیے! یہ بچے پہلے مسلمان بنیں پھر چاہے ڈاکٹر، انجینئر یا جو مرضی بنیں، بنتے رہیں۔ ایمان ہوگا، اسلام ہوگا، تو اللہ کے ہاں سرخرو ہو جائیں گے۔ ہم انگریزی تعلیم سے منع نہیں کرتے، ہاں! اتنا کہتے ہیں کہ دنیاوی تعلیم میں اتنا نہ لگ جائیں کہ آپ دینی تعلیم حاصل بھی نہ کر سکیں۔ یہ زیادتی والی بات ہے۔ اس میں دینی علوم کی ناقدری ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو دین کی تعلیم کے لیے وقف کریں۔

ویسے تو ہم زبان سے ''دین اور دنیا ساتھ ساتھ'' کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں، کاش! ہم اپنے بچوں کو دین کے لیے بھی وقف کرتے۔ یہ حسرت بھی دل میں پیدا کریں۔ عورتوں کے دل میں یہ حسرت ہونی چاہیے کہ جیسے گھر میں سے روزانہ چھوٹے بڑے بچے اسکول کی یونیفارم پہن کر جا رہے ہوتے ہیں، اسی طرح کوئی بچہ تو ایسا ہو جو قرآن حفظ کرنے جا رہا ہو۔ کوئی بیٹی تو ایسی ہو جو تفسیر پڑھنے جا رہی ہو، جو حدیث پڑھنے جا رہی ہو۔ اے ماں! تو صبح کتنے بچوں کو ناشتہ بنا کر دیتی ہے۔ کیا سب نے فزکس کیمسٹری پڑھنی ہے؟ کوئی تو تیرے گھر میں سے قرآن و حدیث پڑھنے کے لیے بھی نکلے، جو تیرے لیے آخرت کا ذخیرہ بن جائے۔ اس لیے ماں باپ کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو دین کی تعلیم کے لیے وقف کریں۔ اگر یہ دین کی تعلیم پائیں گے تو ساری زندگی دین کی برکتیں ان کے شاملِ حال رہیں گی۔ ان کو پتہ ہوگا کہ ہم نے زندگی کے کس موڑ پر کیا کرنا ہے؟

جہاد بالمال کا انوکھا واقعہ:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی دادی اماں کا واقعہ سناتے ہیں۔

فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی دادی اماں سے یہ واقعہ خود سنا ہے۔

وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی تھیں، فرماتی ہیں کہ جب میری شادی ہوئی تو میرے والد صاحب بڑے مشہور نواب تھے اور انہوں نے بڑی چاہت کے ساتھ یہ رشتہ کیا تھا۔ اس دور میں جب استاد کی تنخواہ دو روپیہ اور تین روپیہ ہوتی تھی، انہوں نے مجھے ایک لاکھ روپے کے زیور بنوا کر دیے۔ میں زیورات سے لدی ہوئی اپنے گھر آئی۔ میرے میاں مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا: ''دیکھیے! اللہ نے مجھے اور آپ کو زندگی کا ساتھی بنایا ہے۔ ہم دونوں اس صورت میں خوشی کی زندگی گزار سکتے ہیں جب دونوں کا معیارِ زندگی ایک ہو۔ آپ امیر ہیں اور میں فقیر ہوں۔ میں اگر ساری زندگی محنت بھی کرتا رہوں تب بھی آپ کی طرح نہیں بن سکتا۔ اگر آپ میری طرح بننا چاہیں تو ابھی بن سکتی ہیں۔'' میں نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ جو مال زیور ہے، خلافتِ عثمانیہ کا جہاد جاری ہے، یہ تم اس میں دے دو۔'' فرماتی ہیں: ''میں نے سب کچھ مجاہدین کی طرف بھجوا دیا۔''

اگلے دن میں گھر میں بیٹھی تھی۔ عورتیں مجھے دیکھنے کے لیے آنے لگیں۔ کئی بوڑھی تھیں، کئی جوان تھیں۔ ایک بڑھیا ایسی بھی تھی جو فتنے کی پڑیا تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر جلی کٹی سنانی شروع کر دیں۔ کہنے لگی: ''یہ تو کوئی نکمی سی لڑکی نظر آتی ہے۔ ماں باپ پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ وہ گھر سے دھکے دینے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے بغیر زیور کے اسے گھر سے نکال دیا۔'' فرماتی ہیں: ''جب میں نے ایسی باتیں سنیں تو رونا شروع کر دیا۔'' جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آئے تو انہوں نے پوچھا: ''کیا بنا؟'' میں نے عرض کیا: ''مجھے تو گھر چھوڑ کر آئیں۔'' وہ گھر پہنچا کر آ گئے۔ جب والد نے مجھے دوسرے دن

اپنے گھر میں دیکھا تو پوچھا: ''بیٹی کیسے آنا ہوا؟'' میں نے انہیں ساری بات بتائی۔ وہ کہنے لگے: ''کوئی بات نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ایک لاکھ روپے کے زیورات اور بنوا کر دے دیے اور پھر مجھے گھر لے کر آئے۔

جب اس مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس آئے تو آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: ''اللہ کی بندی! میں نے تجھے مجبور تو نہیں کیا تھا، بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ ہماری زندگی خوشی سے گزرے گی۔ یہ سونا چاندی تو سانپ اور بچھو کے مانند ہیں۔تم کیسے انہیں گلے لگائے رکھو گی؟'' فرماتی ہیں: ''انہوں نے بات کی، یہ ان کی توجہ کا میرے اوپر اثر تھا کہ مجھے اپنے گلے کا لاکٹ یوں محسوس ہونے لگ گیا جیسے میرے گلے میں سانپ ہو۔ انگوٹھی مجھے بچھو نظر آنے لگی۔ میں اپنے زیورات کو اپنے جسم سے اتارنے لگ گئی۔'' حضرت فرمانے لگے: ''ناں! ناں!'' میں کہتی: ''مجھے اتارنے ہیں۔'' فرماتی ہیں: میں نے سارے زیور اتارے اور اگلے دن اپنی خوشی سے مجاہدین کو بھجوا دیے۔ اس کے بعد میں نے فقیرانہ زندگی گزارنا شروع کر دی۔ میں نے حضرت سے دین کی تعلیم پانا شروع کر دی، حتیٰ کہ میں نے حدیث کی تعلیم بھی پائی۔

گھر میں مشکوٰۃ شریف کی تعلیم:

قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس دادی اماں (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی) سے ''مشکوٰۃ شریف'' کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا۔ اس دور میں عورتیں اپنے گھروں میں بچوں کو ''مشکوٰۃ شریف'' تک کی تعلیم خود دیا کرتی تھیں۔ سبحان اللہ! ایک وقت تھا جب حدیث کی یوں خدمت ہوا کرتی تھی۔ آج بھی اللہ نے ہماری بچیوں کو صفات دی ہیں۔ وہ ذہین ہیں، سمجھدار ہیں، عقلمند ہیں۔ یہ اپنے اسکولوں کی

کلاسز میں پوزیشن لیتی رہتی ہیں۔ اگران کو دین پڑھنے کا موقع دیا جائے تو یہ نورٌ علیٰ نور بن جائیں گی۔ ان کے سینوں میں علم کا نور ہوگا اور ان کے چہروں پر شرم وحیا ہوگی۔ پھر دیکھیے! اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کو کامیابیاں دیں گے اور آخرت میں بھی کامیابیاں دیں گے۔ آج وقت ہے دین کی تعلیم پا کر دینی زندگی اختیار کرنے کا۔

گھروں کا ماحول عورتیں بدلتی ہیں:

یاد رکھیے! مرد جتنا مرضی زور لگا لے یہ گھروں کے ماحول کو نہیں بدل سکتے۔ گھروں کے ماحول کو عورتیں بدلا کرتی ہیں۔ جب عورتوں میں دین کا علم ہوگا تو پھر گھروں کے ماحول دین کے مطابق بن جائیں گے۔ اسلیے بچہ کوئی زبان بولتا ہے تو اس کو اس کی مادری زبان کہتے ہیں۔ پدری زبان نہیں کہتے۔ مادری زبان اس لیے کہتے ہیں کہ بچہ ماں سے زیادہ سیکھتا ہے۔ باپ کو تو وقت ہی کم ملتا ہے۔ لہٰذا اصل تو گھر کا ماحول عورتیں بناتی ہیں۔

جب عورتیں خود نیک ہوں گی تو گھر کے ماحول نیک بنیں گے۔ بچوں کو اپنی گود سے ہی دین سکھانا شروع کر دیں گی۔ اس لیے ان کی تعلیم انتہائی ضروری ہے۔ کہنے والے نے کہا:

''مجھے اچھی ماں دے دو میں تمھیں اچھی قوم دے دوں گا۔''

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''مرد پڑھا فرد پڑھا، عورت پڑھی خاندان پڑھا۔''

جب عورت پڑھ لیتی ہے تو آنے والی نسل پڑھ جایا کرتی ہے۔ لہٰذا عورتوں کی دینی تعلیم بہت ضروری ہے۔

آخرت کی رسوائی سے بچنے کا ایک طریقہ:

اگر ایک آدمی پر جب کوئی تنگی کا وقت ہو، مصیبت کا وقت ہو، کوئی پریشانی ہو تو اس وقت میں جو کوئی اس کی مدد کرتا ہے تو اس کا احسان ساری عمر نہیں بھولتا۔ بندہ ساری عمر اس احسان کو یاد رکھتا ہے۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ اگر کسی مصیبت کے وقت میں پریشانی اور تنگ دستی کے وقت میں کوئی میٹھے دو بول بول دے، تسلی کی دو باتیں کر دے تو اس کی تسلی کی کی ہوئی باتیں ساری عمر یاد رہا کرتی ہیں۔ تو اصول یہ نکلا کہ مصیبت و کمزوری کے وقت میں جب کوئی احسان کرتا ہے تو اس کا احسان کبھی نہیں بھولتا۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر ذرا سوچیے گا!

آج دین اسلام پر ضعف کا وقت ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَءَ غَرِیْبًا وَّ سَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَاَ.'' (صحیح مسلم، رقم:۲۰۹)

''ابتدائی زمانے میں ایک وقت تھا کہ اسلام اجنبی تھا اور قُربِ قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ یہ پھر اجنبی ہو جائے گا۔''

چنانچہ آج اسلام پر غربت کا یعنی ضعف کا وقت ہے۔ آج اسلام اپنے مسلمانوں کے دیس میں اجنبی بنا ہوا ہے۔ اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ملک میں اسلام کے احکام توڑے جاتے ہیں۔ اس ملک میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے کلمہ پڑھنے والے اپنے گھروں میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو توڑتے ہیں۔ کوئی گھر ایسا نظر نہیں آتا جس میں سنتوں کو چھوڑا نہ جاتا ہو۔ ہمارے گلی، کوچے، بازار سنتوں کی مذبح گاہیں بن چکی ہیں۔ جب ہم اپنے گھروں میں اپنے ہاتھوں سے سنتوں کو توڑتے پھرتے ہیں تو پھر اسلام کی غربت کا کیا کہنا!!

آج قرآن ایک مظلوم کے مانند گھر میں ہوتا ہے۔ گھر میں کوئی مہمان آجائے تو ہم ضرور اس کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں، حال احوال پوچھتے ہیں۔ یہ اللہ کا قرآن بھی مہمان ہے، لیکن گھر کے طاقچے میں پڑا ہوتا ہے۔ سارا دن گھر میں اخبار پڑھا جاتا ہے، ڈائجسٹ پڑھے جاتے ہیں، گھنٹوں گپیں لگائی جاتی ہیں، لیکن قرآن پڑھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ قرآن پردیسی بنا ہوا ہے، اسلام اجنبی بنا ہوا ہے۔ جب اسلام مسلمانوں کے درمیان اجنبی بن گیا تو پھر کفر کی سازشوں کا کیا کہنا!! تو یہ اسلام پر غربت کا وقت ہے، کمزوری کا وقت ہے۔ اب دینِ اسلام کی تقویت کے لیے جو لوگ زندگیوں کو وقف کریں گے اور دن رات دین کی تبلیغ کے لیے، اشاعت کے لیے اور درس وتدریس کے لیے محنت کریں گے تو ان کا یہ احسان پروردگار کو کبھی نہیں بھولے گا۔ پروردگار اس کی لاج رکھیں گے اور قیامت کے دن پروردگار اس بندے کو کبھی رسوا نہیں فرمائیں گے۔

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم:۸)

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو کبھی رسوا نہیں فرمائیں گے۔''

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عزت افزائی:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا علم پایا۔ بڑا مقام پایا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس نے پوچھا: ''حضرت! آگے کیا بنا؟'' فرمایا: ''مجھے اللہ رب العزت نے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ میں نے تمہارے سینے کو علم سے اس لیے نہیں بھرا تھا کہ آج تمہیں لوگوں کے سامنے رسوا کردوں۔ جاؤ! میں نے تمھیں بلا حساب کتاب جنت میں داخل کردیا۔''

جب اللہ رب العزت قیامت کے دن علما کی عزت افزائی فرمائیں گے تو پھر پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت نے عالم، حافظ کی کیا قدر بنائی تھی؟

اللہ رب العزت ہمیں دین کا علم حاصل کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

استقامت پر اللہ کا انعام

استقامت پر اللہ کا انعام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾

(فصلت:۳۰)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آخرت کی نجات کا دارومدار:

انسان اس دنیا میں چند روز کا مہمان ہے۔ یہ دنیا انسان کے لیے امتحان گاہ ہے۔ ہم کچھ مہلت لے کر اس دنیا میں آئے ہیں اور گزار کے واپس چلے جائیں گے۔ پھر اس

زندگی پر آخرت کا دارومدار ہوگا۔ یہ زندگی دیکھنے میں تو مختصر ہے، مگر فائدے کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔

شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے:

اللہ والے اسی زندگی میں نیکیاں کما لیتے ہیں اور عام لوگ اسی زندگی میں غفلت و سستی کا شکار ہوکر عمل سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے لیے بھی دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اور عام آدمی کے لیے بھی دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ جو نیک بن جائے، اللہ والا بن جائے، اس کے لیے دن بتیس گھنٹے کا ہو جائے گا۔ اللہ والوں کو بھی نیند آتی ہے، ان کی بھی بیوی، بچے، گھر بار، کھانا پینا سب ضروریات ہوتی ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ اللہ والا بننے کے بعد آدمی بیمار نہیں ہوتا یا اس کو کوئی غم پریشانی نہیں آتی۔ جب تک انسان زندہ ہوتا ہے اس وقت تک مصیبتیں اور پریشانیاں اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ کہنے والے نے کہا: ؂

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

''اس دنیا میں کوئی آدمی بے غم نہیں، اگر کوئی ایسا ہے تو وہ بنی آدم ہی نہیں۔''

اس لیے انہی خوشیوں میں، انہی بیماریوں میں، انہی مصروفیتوں میں ہمیں عبادت کے لیے وقت نکالنا ہے۔ اپنے ہر کام کو سنت کے مطابق کرنا ہے تاکہ ہمیں اس پر عبادت کا درجہ ملے۔ مؤمن نے اگر یہ بات سمجھ لی تو اس کے لیے زندگی گزارنا آسان ہو جائے گا۔ مؤمن کے تو مزے ہیں کہ اگر وہ سنت و شریعت کے مطابق تھوک بھی پھینکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں، حتیٰ کہ وہ بیت الخلاء جا کر قضائے حاجت سے فارغ

ہو جاتا ہے تو اس کا بیت الخلاء میں گزرا ہوا وقت بھی عبادت بن جاتا ہے۔ ہم اپنے ہر کام کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق کر کے عبادت بنا سکتے ہیں۔ اس لیے سنت کو اپنانا اور ہر کام سنت کے مطابق کرنا چاہیے، حتیٰ کہ انسان کا ہر عمل عبادت بن جائے۔

کوئی عضو بھی گناہ نہ کرے:

ہمارے جسم کا کوئی عضو گناہ نہ کرے۔

......آنکھ غلط نہ دیکھے۔

......کان سے انسان کسی کی غیبت نہ سنے۔

......زبان سے انسان جھوٹ نہ بولے۔

......ہاتھ پاؤں سے کسی کو تکلیف نہ دے۔

......اپنی شرم گاہ اور ناموس کی حفاظت کرے۔

تو گویا اس طرح ہم نے اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ کر لیا۔

سب سے زیادہ عبادت گزار شخص:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو سب سے زیادہ عبادت گزار بننے کا طریقہ بتایا۔ فرمایا کہ تم اپنے وجود کے اعضا سے گناہ کرنا چھوڑ دو تو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ (ابن ماجہ، رقم: ۴۲۱۷)

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جو انسان اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ رب العزت اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں، لہٰذا ہم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کریں اور گناہوں سے ڈریں، گھبرائیں۔ خلافِ شرع کوئی کام

کرنا ہمارے اوپر بوجھ ہو۔ طبیعت، شریعت کے مطابق ڈھل جائے۔ ایسا انسان بڑا خوش نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ (فصلت: ۳۰)

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر ڈٹ گئے۔''

یہ استقامت اللہ رب العزت کو محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بہت پسند فرماتے ہیں، چنانچہ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں حکم ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ (ھود: ۱۱۲)

''محبوب! آپ شریعت پر پکے رہیے اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔''

ہمیں دین پر استقامت حاصل کرنی ہے۔ شریعت و سنت کے اوپر ٹھوس عمل کرنا ہے۔ حالات جیسے بھی ہوں، نفس پیچھے لگا ہوا ہو یا شیطان پیچھے لگا ہو یا کوئی انسان پیچھے لگا ہوا ہو، ہم کسی وجہ سے بھی اپنے پروردگار کی نافرمانی نہ کریں۔ اگر ہمیں یہ بات سمجھ آ گئی تو ہم نے زندگی کی حقیقت کو سمجھ لیا۔

عبادت کرنے کے ساتھ گناہوں سے بھی بچیں!

آج کئی عورتوں کو دیکھا کہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتی ہیں، تسبیحات پڑھتی ہیں، مگر

......زبان سے غیبت نہیں چھوٹتی۔

......ذرا سی بات پر لوگوں پہ بہتان باندھ دیتی ہیں۔

......کسی کی بات کا پتہ چلے تو اسے لوگوں میں بیان کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

......بہت جلدی دوسروں سے بدگمان ہو جاتی ہیں۔

......اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتی ہیں۔

یہ ایسی بیماریاں ہیں جو عبادت کے ساتھ بھی بندے کے اندر رہتی ہیں۔

ہمیں اصل میں ان برائیوں سے جان چھڑانی ہے۔ ہر کام ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا ہے۔ اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاریں گے تو پروردگار ہم سے راضی ہوں گے۔ جو وقت پروردگار نے دیا ہے اس کو غنیمت سمجھیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارنے کی کوشش کریں۔ پروردگار عالم بڑے قدردان ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ کے لیے کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قربانی کے بقدر اجر عطا فرماتے ہیں۔ تھوڑی قربانی ہوگی تو تھوڑا اجر ملے گا اور زیادہ قربانی ہوگی تو زیادہ اجر ملے گا۔ مؤمن کا تو ہر حال میں فائدہ ہے۔

جب ہم استقامت کے ساتھ دین پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تو ایسے قدردان ہیں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی بلاؤں کے اوپر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو شکر گزار بندوں میں شامل فرما لیتے ہیں۔

خوشحالی اور آزمائش میں اللہ کی محبت:

ایک مرتبہ حضرت ایوب علیہ السلام تہجد کی نماز میں اللہ کے حضور اللہ کی محبت میں رو رہے تھے۔ فرشتے بھی حیران تھے کہ اللہ کے یہ پیارے پیغمبر علیہ السلام اللہ کی محبت میں ایسا رو رہے ہیں۔ شیطان نے دیکھا تو کہنے لگا: ''اے پروردگار! یہ اس لیے تیری عبادت کرتے ہیں کہ تو نے ان کو گھر بار دیا، بچے دیے، مال دیا، اگر ان کے پاس یہ نعمتیں نہ ہوتیں تو پھر میں دیکھتا کہ یہ کس طرح تیری عبادت کرتے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اچھا! ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنی نعمتیں واپس لے لیتے ہیں۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے مکان کی چھت گری اور بیوی بچے نیچے سوئے ہوئے تھے،

وہ چھت ان پر آن گری تو وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ پھر مکان میں آگ لگی تو مکان بھی جل گیا۔ اب نہ گھر ہے اور نہ گھر والے ہیں۔ اس کے بعد ان کو جسم پر بھی شدید بیماری لاحق ہو گئی۔ اب ان کے پاس جتنی نعمتیں تھیں سب ختم ہو گئیں، مگر اس کے باوجود اس حال میں بھی انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے۔ (الدرالمنثور: سورۃ الانبیاء)

پروردگار سے محبت کی باتیں:

حتیٰ کہ جب ان کی صحت ٹھیک ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا: ''اے میرے ایوب! آپ کو بیماری والی زندگی اچھی لگی یا اب صحت والی زندگی اچھی لگی؟'' انہوں نے عرض کی: ''پروردگارِ عالم! مجھے بیماری والی زندگی اچھی لگی۔'' پوچھا: ''وہ کیوں؟'' کہنے لگے: ''اس لیے کہ جب صبح ہوتی تھی تو اللہ رب العزت پوچھتے تھے: ''ایوب! تیرا کیا حال ہے؟'' اور اس طبع پرسی کا سارا دن مجھے مزا ملتا تھا۔ پھر جب رات آتی تو رات کو بھی میری طبع پرسی فرماتے اور ساری رات مجھے اس طبع پرسی کا نشہ رہتا تھا۔ اب صحت تو مل گئی، مگر اللہ رب العزت کی مزاج پرسی کا جو مزا تھا اس کو میری طبیعت ترستی ہے۔'' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں پہلے ان کے پاس تھیں وہ ساری واپس دے دیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (ص: ۴۳)

''اور ہم نے ان کو ان کے اہلِ خانہ بھی عطا کر دیے اور ان جیسے اور بھی دے دیے، یہ ہماری طرف سے نعمت تھی، تا کہ بعد میں آنے والے عقل مند لوگ اس بات کو یاد رکھیں کہ ہم کیسے عطا کرنے والے ہیں۔''

دیکھیے! تھوڑی دیر کے لیے ان نعمتوں کو چھین لیا گیا، لیکن جب صبر کے ساتھ وقت گزارا تو اللہ نے نہ صرف ان کو وہ نعمتیں واپس لوٹا دیں، بلکہ ان جیسی نعمتیں ان کے بقدر اور بھی عطا کر دیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدردانی:

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پیارے خلیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے بیٹا عطا فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیٹا بھی عطا کر دیا اور فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً﴾ (الانبیاء: ۷۲)

''ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب انعام کے طور پر عطا کر دیے۔''

جیسے دنیا میں کوئی شفیق دکاندار ہو اور اس کے پاس کوئی چھوٹا بچہ اس سے سودا لینے جائے تو وہ اس کو سودا بھی دے دیتا ہے، جتنا اس نے مانگا اور اس کی ہتھیلی پر جھونگا بھی ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح پروردگارِ عالم کے ہاں یہ دستور ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور شکرگزاری کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں بھی دیتے ہیں اور اس کے اوپر انعام بھی عطا فرماتے ہیں۔ گویا اللہ رب العزت بہت مہربان ہیں، بڑے قدردان ہیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قدردانی:

اس قدردانی کی مثال آپ یہاں سے سمجھیے! حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے، جن کو عرب قافلہ نے دھوکے سے اپنے ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ میں آ کر بیچ دیا۔ یہ چلتے چلتے بالآخر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے والد ان کے لیے بڑے اداس رہتے تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ یہ فلاں جگہ ہیں تو ان کے

والد اور چچا ان کو لینے کے لیے آئے۔ انہوں نے آ کر بتایا کہ ہم تو تمہاری یاد میں بڑے اداس رہتے تھے۔ والد نے کہا: ''میں نے تو تمہاری جدائی میں شعر لکھے تھے۔'' اور والد نے وہ سب کچھ پڑھ کے سنا بھی دیا۔ اس کے بعد انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ زید کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ معاملہ میں زید کے اوپر چھوڑتا ہوں۔ وہ چاہے تو یہاں رہے اور چاہے تو آپ لوگوں کے ساتھ چلا جائے۔ ان کا باپ بڑا خوش ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بات کی جو حق اور انصاف پر مبنی تھی۔ اب انہوں نے کہا: ''بیٹا! ہم اداس ہیں، اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں، رشتہ دار منتظر ہیں، چلو اپنے وطن واپس چلتے ہیں۔'' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا اس میں مجھے اختیار ہے کہ میں جہاں چاہوں رہوں؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں!'' تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں کسی قیمت پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو گود میں لیا اور فرمایا: ''آج کے بعد یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ (اسد الغابۃ: ۱/ ۳۹۵)

اب سوچیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اللہ کے محبوب کی محبت میں اپنے والد کو چھوڑا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ ساری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدر دانی دیکھیے کہ ایک بچے نے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ وہ کسی اور کا بیٹا ہے، خاندان کوئی اور ہے، اس کا وطن کوئی اور ہے، مگر اللہ! تیری رحمتوں پہ قربان جائیں، تیری نعمتوں پہ قربان جائیں کہ جس بچے نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی آپ نے پوری زندگی اس کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے بلوایا۔ سوچنے کی بات ہے کہ وہ پروردگار کیسی کیسی نعمتیں عطا فرما دیتا ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ پورے قرآن پاک میں کسی صحابی کا نام نہیں آیا، سوائے ایک صحابی کے اور ان کا نام حضرت زید رضی اللہ عنہ تھا۔

دیکھیے! اللہ رب العزت نے صحابہ سے ان کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے بھی یاد کروایا اور ساتھ ہی ان کا نام کسی واقعہ کے تحت قرآن میں بھی داخل فرما دیا۔ قیامت تک قرآن پڑھا جائے گا اور ان کا نام اس میں لیا جائے گا۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾ (الاحزاب: ۳۷)

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی قدردانی:

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ایک جوان العمر صحابی ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے اور مدینہ آ کر انہوں نے کلمہ پڑھ لیا، مگر اپنے ایمان کو والدین سے چھپایا۔ کچھ دن تو انہوں نے اپنے معاملے کو چھپائے رکھا۔ بالآخر ان کے والد کو شک ہو گیا۔ انہوں نے پوچھ لیا۔ جب والد نے پوچھا تو جھوٹ نہیں بولا، سچ بتا دیا۔ والد نے کہا: ''اگر تم اس دین کو قبول کرو گے تو ہم تمہیں اس گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔'' عبداللہ کہنے لگے: ''ٹھیک ہے، میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔'' جب وہ وہاں سے جانے لگے تو والد نے ان کو پکڑ لیا اور کہا: ''تمہارے جسم پہ جو کپڑے ہیں وہ میں نے خریدے ہیں، تم یہ کپڑے اتار دو۔ یہ کپڑے تمہیں پہننے کی اجازت نہیں۔'' چنانچہ والد نے غصے سے اپنے بیٹے کے جسم سے تمام کپڑے اتروا لیے اور ننگے بدن اس کو دھکا دے دیا۔ اس کی والدہ اس پر بڑی دکھی ہوئیں اور کسی بہانے سے اس نے اپنا ایک دوپٹہ ان کی طرف پھینک دیا۔ وہ اس کو لے کر چل پڑے۔ راستے میں انہوں نے اس دوپٹے کے دو ٹکڑے بنائے۔ ایک کو تہبند کی طرح باندھ لیا اور دوسرا اپنے اوپر لپیٹ لیا۔

جب وہاں سے چلے تو سوچا! میں کہاں جاؤں؟ دل نے فیصلہ کیا کہ جن کی خاطر مجھے نکالا گیا ان کے سوا دنیا میں میرا کون ہے؟ میں ان کے پاس چلتا ہوں، باقی زندگی ان کے قدموں میں گزاریں گے۔ عبداللہ! اگر تجھے ان کی خدمت کا موقع مل گیا تو پھر یہ تیری خوش نصیبی ہوگی۔

صبح کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دور سے آتے ہوئے دیکھا تو آپ کی نگاہِ نبوت نے پہچان لیا کہ

؎ دونوں جہاں کسی کی محبت میں ہار کے
وہ آرہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

چنانچہ جب حاضرِ خدمت ہوئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پورا واقعہ سنا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تم یہاں اصحابِ صفہ میں رہنا شروع کردو۔ انہوں نے رہنا شروع کردیا۔ ان کے دل میں اللہ کی محبت اتنی آئی کہ بسا اوقات یہ اپنے عشق اور محبت میں اونچی آواز سے اللہ...... اللہ...... اللہ کہنا شروع کردیتے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو انہوں نے منع کیا کہ اونچا مت کہا کرو۔ اپنے دل میں خفی ذکر کیا کرو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتہ چلا تو فرمایا: ''عمر! عبداللہ کو کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کہتا ہے اللہ کی محبت میں کہتا ہے۔'' چنانچہ وہ اپنی زندگی وہاں گزارنے لگ گئے۔

ایک غزوہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ وہاں عبداللہ رضی اللہ عنہ کافی بیمار ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب آ بیٹھے تو آپ نے ان کا سر اپنی مبارک گود میں رکھ لیا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں

جن کا سر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک گود میں ہے۔ ان کی نگاہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ پر جمی ہوئی ہیں اور اسی حال میں ان کا آخری وقت آ گیا۔ انہوں نے ایک ہچکی لی اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ دیکھیے تو سہی! جس کو باپ نے گھر سے محروم کر دیا، اللہ! تو کتنا قدر دان ہے، تو اس کو محبوب کی گود میں جگہ عطا فرما دیتا ہے۔ اور اس حال میں ان کی دنیا سے موت آتی ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہرے کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے ہیں۔ جب ان کی روح پرواز کر گئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ان کو نہلا دیا جائے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر عطا فرما دی اور فرمایا: ''اس چادر سے عبداللہ کے لیے کفن بنا دیا جائے۔'' سبحان اللہ!

جس بدن کو اللہ رب العزت کی وجہ سے بے لباس کر دیا گیا، یا اللہ! آپ کتنے قدر دان اور مہربان ہیں کہ آج آپ اس بدن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر سے، کملی سے ڈھانپ رہے ہیں۔ یہ آپ کی کتنی بڑی قدر دانی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ جب قبر میں دفن کرنے کا وقت آیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود نیچے قبر میں تشریف لے گئے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''اپنے بھائی کی لاش میرے حوالے کر دو۔''

چنانچہ انہوں نے لاش حوالے کر دی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لاش کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر زمین کے اوپر لٹا دیا۔ گویا اپنی امانت زمین کے سپرد کر دی اور اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ الفاظ کہے، فرمایا: ''اے اللہ! میں عبداللہ سے راضی ہوں، تو بھی راضی ہو جا۔''

جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو فرمانے لگے: ''میرے دل میں یہ بات آئی، کاش! آج یہ جنازہ عبداللہ بن مسعود کا ہوتا اور

محبوب ﷺ میرے بارے میں فرماتے: ''اے اللہ! میں عبداللہ سے راضی ہوں، تو بھی راضی ہوجا۔'' (معجم الصحابۃ للبغوی: ۲/ ۳۲۲، اسد الغابۃ: ۱/ ۶۰۴)

تو دیکھیے! اللہ تعالیٰ کتنے قدردان ہیں! جب بندہ دین کی خاطر قربانی دیتا ہے تو اللہ رب العزت اس کو اس کی امیدوں سے بڑھ کر بدلہ اور اجر عطا فرماتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قدردانی:

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دین کی خاطر اپنے گھر کو چھوڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچا دیا۔ انہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا، خویش قبیلے کو چھوڑا اللہ کی رضا کے لیے، یہاں پردیس کو اپنایا، مگر اللہ بھی قدردان ہیں، وہ یوں کسی کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ'' (المعجم الکبیر، رقم: ۶۰۴۰)

''سلمان تو میرے اہلِ بیت میں سے ہے۔''

قربان جائیں اس پروردگار پر، وہ کتنا قدردان ہے! جو بندہ اپنے گھر کو چھوڑتا ہے، خویش قبیلے کو چھوڑتا ہے، اس کا نام اہلِ بیت کے اندر شامل فرما دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑے قدردان ہیں، ہم لوگ ناقدرے ہیں۔ ہم نے تو اپنے پروردگار کی قدر نہ کی۔ اسی کا دیا کھاتے ہیں، شکوے بھی اسی کے کرتے ہیں۔ دن رات اس کی نعمتوں کو سمیٹتے پھرتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ کی تعریف کرتے ہوئے ہمارے منہ ٹیڑھے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ پروردگارِ عالم جیسی حوصلہ مند ذات کو فرمانا پڑا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ﴾ (الزمر: ۶۷)

''انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔''

ہم نے تو نہ اللہ کی قدر کی، نہ انبیاءؑ کی قدر کی۔

اللہ تعالیٰ کا اظہارِ افسوس:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عجیب انداز سے فرمایا:

﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾

(یٰس:۳۰)

''حسرت ان بندوں پر، کوئی اللہ کے رسول دنیا میں ایسے نہیں آئے جن کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔''

پہلے زمانے میں انبیاءؑ کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور آج کے دور میں انبیاءؑ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آج ہمارے گھروں میں ہمارے مسلمان بچے کسی سنت پر عمل کر لیں تو گھر کے دوسرے لوگ ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ سنت کا مذاق اڑانا حقیقت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ کیسے بندے ہیں جنہوں نے میرے انبیا کا مذاق اڑایا!؟'' اس لیے ہمیں چاہیے کہ دین کے معاملے میں ہم اپنے اندر استقامت پیدا کریں۔

عورتوں کے بے جا بہانے:

آج اکثر عورتوں کو دیکھا گیا کہ ان کے اندر نہ نماز کی پابندی ہے، نہ تلاوت کی پابندی، نہ ذکر و مراقبے کی پابندی، نہ کسی اور سنت کی پابندی ہے۔ بس کچھ دن کرتی ہیں پھر چھوڑ دیتی ہیں، پھر کچھ دن کرتی ہیں پھر چھوڑ دیتی ہیں۔ کبھی نماز وقت پہ پڑھ لی، کبھی وقت بے وقت کر کے پڑھ لی۔ استقامت نہ ہونے کی وجہ سے زندگی میں برکت نہیں

رہتی۔ ہمیں اپنے اندر استقامت پیدا کرنی ہے تا کہ اللہ کے دین کے اوپر مضبوطی سے جم جائیں۔ اس میں رکاوٹیں بھی آتی ہیں۔ کبھی رکاوٹیں اپنے نفس کی طرف سے آتی ہیں۔ ہم نے اس کی مخالفت کو برداشت کر کے پھر شریعت پر عمل کرنا ہے۔ کبھی شیطان کی طرف سے رکاوٹیں آتی ہیں اور کبھی انسانوں کی طرف سے رکاوٹیں آتی ہیں۔ آج کتنی بچیوں کو دیکھا گیا وہ کہتی ہیں کہ گھر میں کام کاج ہی اتنے ہیں، ہم تو مصروف ہی رہتی ہیں، اس لیے نماز کی فرصت نہیں ملتی۔ نہیں! ہم نے تو نماز ہر حال میں پڑھنی ہے، اللہ کا حکم پورا کرنا ہے، ساتھ گھر کی ذمہ داریاں بھی پوری کرنی ہیں۔ اس میں اگر محنت کرنی پڑتی ہے تو محنت سے گھبرایا نہ کریں۔ ہم کوشش کریں کہ دین کے اوپر عمل کرنے والے بن جائیں۔ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں سب سے پہلے دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کئی عورتوں کو دیکھا کہ گھر میں مہمان آ گئے تو ان کی نماز چھوٹ گئی۔ او جی! کیا کریں؟ مہمان داری میں ہماری نماز چلی گئی۔ معمولی سی کوئی بات ہے تو زبان سے جھوٹ بول دیتی ہیں۔ او جی! ذرا میں نے گول مول بات کر دی تھی، بدل کے بات کر دی تھی۔ یہ گول مول بات کرنا، بدل کے بات کرنا، اسی کا نام جھوٹ ہوتا ہے، حتیٰ کہ کوئی عمر پوچھے تو جھوٹ بول کر عمر کم بتا دیتی ہیں، بلکہ ہم نے تو دین کا علم پڑھنے والی بعض بچیوں کو دیکھا کہ وہ بھی غلط بیانی سے کام لے لیتی ہیں۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو دلوں میں ظلمت پیدا کر دیتی ہے۔ اور جھوٹ بولتے بولتے بالآخر وہ وقت آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ جھوٹوں کے دفتر میں اس بندے کا نام لکھ دیا جائے۔ تو ہم جھوٹ سے توبہ کریں۔ سَچی اور سُچی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ ہماری زندگی سو فیصد شریعت کے مطابق ہو۔ پھر دیکھنا اس کی کتنی برکتیں ہوں گی۔ استقامت کے ساتھ

شریعت کے اوپر جمے رہنا بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ (فصلت:۳۰)

''بے شک جن لوگوں نے کہا: ''ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس کے اوپر جم گئے، ڈٹ گئے۔''

یہ جم جانا اور ڈٹ جانا اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔فرماتے ہیں: ''مجھے نیند کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس ہوئی۔دوپہر کا وقت تھا، میں ایک درخت کے نیچے سو گیا۔جب میں قیلولہ کر کے اٹھا تو مجھے درخت میں سے آواز آتی محسوس ہوئی۔جیسے وہ مجھے کہہ رہا ہو:

''يَا سِرِّيُ! كُنْ مِّثْلِيْ''

''اے سری! تو میرے جیسا ہو جا۔''

فرماتے ہیں: ''میں بہت حیران ہوا کہ یہ آواز مجھے کہاں سے آ رہی ہے؟ لیکن جب میں نے غور کیا تو محسوس ہوا کہ درخت کے اندر سے آ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں سے کبھی کبھی ایسے خلافِ عادت واقعات رونما کرا دیتے ہیں۔جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ایک پتھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کیا کرتا تھا۔اسی طرح ان سے ایک درخت نے گفتگو کی اور کہا: ''اے سری! تو میرے جیسا ہو جا۔''فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کی بات سنی تو پوچھا:

''كَيْفَ اَكُوْنُ مِثْلَكَ؟''

''اے درخت! میں تیرے جیسا کس طرح بن سکتا ہوں؟''

جب میں نے یہ کہا تو اس نے آگے سے جواب دیا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَنِی بِالْاَحْجَارِ فَاَرْمِیْھِمْ بِالْاَثْمَارِ."

"اے سری! جو لوگ میری طرف پتھر پھینکتے ہیں، میں ان کو پھل واپس لوٹاتا ہوں۔"

لہٰذا تو بھی میرے جیسا ہو جا۔ میں نے کہا: "واقعی سری! تیرے سے تو درخت بہتر ہے کہ لوگ درخت کو پتھر مارتے ہیں اور وہ ان کو پھل لوٹاتا ہے۔ درخت کتنے اچھے اخلاق والا ہے، کتنا اچھا ہے!!" فرماتے ہیں: "اسی دوران میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ درخت اتنا اچھا ہے کہ پتھر مارنے والوں کو پھل لوٹاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم کی غذا کیوں بنا دیا؟" فرماتے ہیں: "جب میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تو میں نے اس درخت سے سوال کیا:

"کَیْفَ مَصِیْرُکَ اِلَی النَّارِ؟"

"او درخت! اگر تو اتنا اچھا ہے تو پروردگار نے تجھے آگ کی غذا کیوں بنا دیا؟

فرماتے ہیں: "جب میں نے یہ بات پوچھی تو درخت نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا: "سری! میرے اندر خوبی بھی بہت بڑی ہے، لیکن میرے اندر خامی بھی بہت بڑی ہے اور وہ خامی اللہ کو اتنی ناپسند ہے کہ اس نے میری تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا اور وہ خامی یہ ہے:

"اَمِیْلُ بِالْھَوَاءِ ھٰکَذَا ھٰکَذَا"

"اے سری! جدھر ہوا چلتی ہے، میں اُدھر ڈول جاتا ہوں۔"

یعنی میرے اندر استقامت نہیں۔ استقامت کا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کو اتنا ناپسند ہے کہ میری خوبیوں کے باوجود اللہ نے مجھے آگ کی غذا بنا دیا۔ (بکھرے موتی: ص: ۵۲۳، حصہ پنجم)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ استقامت اللہ کو کتنی پسندیدہ ہے اور جو بندہ گھڑی میں تولہ

اور گھڑی میں ماشہ ہو کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہو تو ایسے بندے پر اللہ رب العزت کی محبت کی نظر نہیں اٹھا کرتی۔ اس لیے ہمیں اپنے اندر استقامت پیدا کرنی چاہیے۔ ہم چٹان کے مانند بن جائیں۔ شریعت پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ مخلوق میں سے کسی کی وجہ سے ہم پیچھے نہ ہٹیں۔ لاکھ طوفان آئیں، لاکھ آندھیاں آئیں، جتنے مرضی حالات مخالف ہوتے چلے جائیں، لیکن ہم نے کام وہ کرنا ہے جس کا حکم ہمیں پروردگار نے دیا ہے۔

گھوڑے کی استقامت:

ایک مجاہد گھوڑے کو اس نیت سے پالتا ہے کہ وہ اس پر بیٹھ کر دشمن سے جہاد کرے گا، چنانچہ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اس کو میدانِ جنگ میں لے کر آتا ہے۔ اب سامنے دشمن کی صفیں بنی ہوئی ہیں اور ادھر مجاہدین کی صفیں بنی ہوئی ہیں۔ وہ گھوڑے کو ایڑھی کا اشارہ کرتا ہے۔ ''اے گھوڑے! تم بھاگو اور دشمن کی صفوں میں گھس جاؤ، تاکہ میں ان کے ساتھ قتال کر سکوں اور میں ان کو گاجر مولی کی طرح کتر دوں۔'' وہ گھوڑا جانتا ہے کہ میرے مالک نے مجھے کھلایا پلایا، اس کا مقصد یہ تھا کہ میں اس کے کام آؤں گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ آج میرے پاس وفا دکھانے کا وقت ہے۔ میرے مالک نے جو مجھے کھلایا پلایا، آج اس کا بدلہ چکانے کا وقت ہے۔ چنانچہ گھوڑا تیزی سے بھاگتا ہے اور دشمن کی صفوں کے قریب آتا ہے۔ سامنے سے کئی مرتبہ نیزہ لگتا ہے تیر لگتے ہیں، تلوار لگتی ہے، مگر گھوڑا اپنے جسم پر ان چیزوں کے لگنے کی پروا نہیں کرتا۔ اگر اس کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہوں تو پھر بھی وہ پیچھے نہیں بھاگتا۔ وہ سمجھتا ہے جس لیے مجھے کھلایا پلایا گیا تھا آج اس کی وفا دکھانے کا وقت ہے، لہٰذا میں پیچھے نہیں بھاگوں گا۔ میں اپنی جان پہ کھیل جاؤں گا، مگر اپنے مجاہد کو دشمن کی صفوں میں لے کے جاؤں گا۔

بے پردہ عورتوں کا انجام:

آج جو عورتیں اپنے پردے کا خیال نہیں رکھتیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو بے لباس کر کے سارے انسانوں کے سامنے جہنم میں ڈالیں گے۔ اس طرح ان کی بے عزتی کی جائے گی کہ اس نے دنیا میں پردے کا خیال نہ رکھا اور آج اس کو بے پردہ کر دیا جائے گا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر کسی مرد کو کہا جائے کہ تمہیں چند مردوں کے درمیان ننگا کر دیں گے تو مرد کو شرم آتی ہے، جی چاہتا ہے زمین پھٹ جاتی اور میں اندر اتر جاتا۔ عورتوں میں بالآخر حیا ہوتی ہے، شرم زیادہ ہوتی ہے، ان کو اگر یہ کہہ دیا جائے تو ان کی زندگی سے موت بہتر بن جائے۔ وہ تو کہیں گی کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ سوچیے تو سہی! جب دنیا میں اتنی شرمندگی ہوتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کے سامنے بے پردہ کر کے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کو اسی حالت میں جہنم میں ڈال دو تو پھر کتنی شرمندگی ہوگی؟ اگر آج اللہ رب العزت کے حکموں کی قدر دانی کریں گے تو کل اللہ رب العزت ہمارے گناہوں کے اوپر رحمت کی چادر ڈالیں گے۔ اور اگر آج ہم حکموں کو توڑیں گے تو کل پروردگار ہمیں رسوا فرمائیں گے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ہر حال میں اللہ رب العزت کے حکموں کی فرمانبرداری کرنے والے بن جائیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب کوئی جوان العمر عورت اس لیے بنتی سنورتی ہے، اچھے کپڑے پہنتی ہے، تاکہ غیر محرم اسے دیکھ سکیں۔ یعنی اس کے دل کی چاہت یہ ہو، اس کے دل کی نیت یہ ہو کہ غیر محرم اسے دیکھ سکیں تو اللہ تعالیٰ کی اس پر ناراضگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''قیامت کے دن میں ایسی عورت کی طرف محبت کی نظر نہیں اٹھاؤں گا۔'' بے پردگی کی کتنی سزا قیامت کے دن ملے گی!؟ اگر پروردگار نے یہ فیصلہ

فرمادیا توسوچیے! پھر ہمارا کیا انجام ہوگا؟ (شعب الایمان، رقم: ۷۸۰۳)

استقامت کے انمول واقعات

ہماری تاریخ میں کئی ایسی نیک خواتین گزری ہیں جنہوں نے اپنے دین کی حفاظت کی، اپنے ایمان کی حفاظت کی اور انہوں نے اس کے لیے قربانیاں دیں، پھر اللہ تعالی نے ان کے تذکرے قرآن میں کیے۔

مشاطہ کی استقامت:

فرعون کا محل ہے۔ اس کی ایک بیٹی نہائی اور اس نے اپنے بال بنانے سنوارنے تھے۔ ان کے گھر میں ایک مشاطہ تھی، جو ان کے گھر میں خادمہ کے طور پر کام کرتی تھی۔ اس مشاطہ کو بلا کر کہا گیا کہ آپ ذرا اس بچی کے بال سنوار دیجیے اور اس کی چوٹی بنا دیجیے! چنانچہ وہ اس کے بال سنوارنے لگی، اسی دوران اس کے ہاتھوں سے کنگھی نیچے گری تو اس نے اٹھاتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کے پروردگار کا نام لے لیا۔ جب اللہ کا نام اس کی زبان سے نکلا تو فرعون کی بیٹی نے اس کی طرف غصے سے دیکھا اور کہا: ''کیا تم نے موسیٰ کے پروردگار کو خدا مان لیا ہے؟'' اب مشاطہ حیران ہوگئی کہ میں کہوں تو کیا کہوں؟ دل نے کہا: ''جب راز کھل ہی گیا ہے تو جھوٹ کیا بولنا؟ سچ سچ بتا دو۔ ع

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی، جب تیرا کسی نے نام لیا

جب فرعون کی لڑکی نے پوچھا تو کہنے لگی: ''ہاں! میں تو موسیٰؑ کے پروردگار پر ایمان لا چکی ہوں۔'' وہ لڑکی اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی اور غصے سے اسے گالیاں بکنے لگی: ''تو

میرے باپ کو نہیں مانتی اور ہمارے محل میں رہتی ہے، نمک حرام کہیں کی، ابھی میں تمہاری کھال کھنچواتی ہوں۔'' چنانچہ وہ اپنے باپ کے پاس چلی گئی اور کہنے لگی: ''دیکھیں! یہ ہمارے محل میں رہنے والی عورت ہے اور یہ موسیٰ کی باتوں پر یقین کرنے والی اور ان کے پروردگار کو ماننے والی ہے۔ آپ یا تو اس کو اتنی سزا دیں کہ یہ دوسروں کے لیے عبرت بن جائے یا پھر اسے واپس اپنے دین پر لے کر آئیں۔'' چنانچہ فرعون نے اس کو اپنے دربار میں بلالیا۔ بھرا دربار ہے، لوگ موجود ہیں، وہ مشاطہ وہاں پہنچ گئی تو اسے کہا گیا کہ تم توبہ کرلو، ہم تمہیں مہلت دیتے ہیں، تم ہماری بچیوں کی خادمہ ہو۔ وہ کہنے لگی: ''نہیں! میں نے ایمان قبول کرلیا ہے۔

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ (طٰہٰ: ۷۲)

''تو کرلے جو کرسکتا ہے۔''

فرعون نے کہا: ''میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ لوگ تمہارا واقعہ یاد کر کے عبرت پکڑا کریں گے۔'' وہ کہنے لگی: ''جو مرضی ہوتا ہے ہو جائے، میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' فرعون کو پتہ تھا کہ اس کی چھوٹی بچیاں ہیں، ایک شاید دو سال کی تھی اور دوسری اور چھوٹی چند ماہ کی تھی، وہ اس کا دودھ پیا کرتی تھی۔ اس نے کہا: ''میں تمہیں سزا دلواتا ہوں۔'' سزا اس نے کیا دلوائی؟ اپنے فوجیوں سے کہا: ''اس کو چومیخا کر دیا جائے۔ چومیخا کا کیا مطلب؟ یعنی زمین پہ لٹا دو، ہاتھوں میں کیل گاڑھ دو۔ دونوں ہاتھ بھی زمین میں گڑھ جائیں اور دونوں پاؤں بھی زمین میں گڑھ جائیں، ہل جل نہ سکے، سارا دربار تماشا دیکھ رہا ہے۔ یہ اللہ کی ایمان والی نیک بندی بھرے دربار میں زمین پر لیٹی ہوئی ہے۔ فرعون کے لوگ آئے۔ انہوں نے آ کر کہا کہ فرعون کہہ رہا ہے کہ آپ اس دین کو چھوڑ دیں اور فرعون کو خدا مان لیں۔ اس نے کہا: ''میں ہرگز نہیں مانوں گی۔'' کہنے لگے:

''ہم تمہارے جسم سے لباس اتاریں گے اور سب کے سامنے تمہیں رسوا کریں گے۔'' وہ کہنے لگی: ''جو ہوتا ہے ہوتا رہے، میں اس دین سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' چنانچہ اس کے جسم سے لباس ہٹا دیا گیا۔ پھر فرعون نے کہا: ''میں اب بھی مہلت دیتا ہوں۔'' اس نے کہا: ''میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' فرعون نے اس کو ایک سزا دی۔ سزا کیا دی؟ اس کی چھوٹی بچی کو بلوایا گیا اور اس معصوم بچی کو اس کے سینے پر لٹا دیا گیا۔ اس وقت اس کو کہا گیا کہ ہم تمہاری بیٹی کو قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا: ''اب جو ہوتا ہے ہو جائے، میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔''

چنانچہ غصے میں آ کر فرعون کے فوجیوں نے اس معصوم بچی کی گردن کو کاٹ دیا اور اس کا خون ماں کے سینے پہ بہنے لگا۔ سوچیے تو سہی! اس ماں پر کیا گزری ہوگی؟ جس کی پھول جیسی بچی اس کے سینے پہ ذبح کی جا رہی ہو۔ بچی کا جسم تڑپ رہا ہے اور ماں کا دل تڑپ رہا ہے، مگر کر کچھ نہیں سکتی۔ جب فرعون نے دیکھا کہ بچی ٹھنڈی ہو چکی ہے تو کہنے لگا: ''اب میں اس سے بھی سخت سزا دلواؤں گا۔'' لوگوں نے پوچھا: ''وہ کون سی؟'' کہنے لگا: ''میں نے اپنے دشمنوں کو سزا دلوانے کے لیے جو بچھو پالے ہوئے ہیں، ان بچھوؤں کے ڈبے لائے جائیں۔ چنانچہ ان بچھوؤں کے ڈبے اس کے سامنے لائے گئے اور کہا گیا کہ تم اب بھی مان جاؤ۔ وہ کہنے لگی: ''میں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا ہے، میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' بالآخر اس کے جسم پر وہ بچھو چھوڑے گئے۔ ان بچھوؤں نے اس کو کاٹنا شروع کر دیا، حتی کہ وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگی اور تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی۔ جب وہ ٹھنڈی ہو گئی تو فرعون سمجھا کہ میں نے اس کو اتنی زبردست سزا دی کہ اب کوئی اس دین کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ غصے میں فرعون اپنے گھر آ گیا کہ میں اپنی بیٹی کو جا کر بتاتا ہوں۔

فرعون کی بیوی کی استقامت:

جب وہ محل میں داخل ہوا تو اس کی بیوی آسیہ سامنے کھڑی تھی۔ فرعون کہنے لگا: ''دیکھ! میں نے اس عورت کا کیا حشر کیا۔'' آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''فرعون! تو بڑا نامعقول ہے۔تو نے اس کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا۔ اللہ تعالی ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔'' وہ کہنے لگا: ''تو اس کی ہمدردی کی باتیں کیوں کرتی ہے؟'' آسیہ نے کہا: ''اس لیے کہ میں بھی اپنے پروردگار پر ایمان لا چکی ہوں۔ میں اس کی طرح ایمان والی مؤمنہ بن چکی ہوں۔'' فرعون نے جب یہ سنا تو کہنے لگا: ''آسیہ! تمہیں پتہ ہے کہ ملک میں لاکھوں عورتیں ہیں، مگر تمہاری خوبصورت شخصیت کی وجہ سے میں نے لاکھوں میں سے تمہیں چنا۔ اس محل میں تم کتنی سجتی ہو! ملکہ بن کر رہتی ہو۔ کتنے خادم اور خادمات ہیں جو تمہاری نوکری چاکری کے لیے تمہارے آگے پیچھے پھرتے ہیں! تمہاری آنکھ کا اشارہ ہوتا ہے، ہر نعمت موجود ہوتی ہے، میں تم پر فدا ہوں، میرا تمہارے بغیر وقت ہی نہیں گزرتا۔ اتنی محبت کرنے والا خاوند اور اتنی ناز و نعمت کی چیزیں اور محل نما مکان، یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے، تم تو ایسی بات نہ کرو۔'' وہ کہنے لگی: ''مجھے ان چیزوں کی کوئی پروا نہیں، مجھے تو اللہ کے احکام کی پروا ہے۔ میرا تو اللہ پر یقین ہے، ایمان ہے۔ اب میں اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔'' فرعون کو بڑا غصہ آیا۔ وہ کہنے لگا: ''میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کرواؤں گا جو میں نے اس کے ساتھ کیا ہے۔'' وہ کہنے لگی:

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ (طٰہٰ:۷۲)

''تو کر لے جو کر سکتا ہے۔''

چنانچہ اس نے بی بی آسیہ کو کہا کہ میں ابھی تمہیں دربار میں بلواتا ہوں اور دیکھتا ہوں

کہ تو میری بات کیسے نہیں مانتی؟ لہٰذا وہ دربار میں آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ''دیکھو! جو میری بیوی ہے، وہ میری خدائی کا انکار کرتی ہے۔ آج اسے میں تمہارے سامنے دربار میں بلواتا ہوں اور دیکھنا کہ میں اس کو کیسی سزا دلواتا ہوں۔''

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اس محل کی ملکہ کو گرفتار کر کے ایک ملزمہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ فرعون نے کہا: ''یہ میری بیوی ہے، میں اس سے محبت کرتا ہوں، میرے دل میں اس کا عشق ہے، میں نے زندگی اس کی محبت میں گزاری ہے۔ اس کو میں ایک موقع دیتا ہوں۔ آسیہ! ذرا اس محل کی طرف دیکھ، آج تو اس محل سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گی۔'' آسیہ نے کہا: ''مجھے منظور ہے، مگر میں ایمان کو نہیں بیچ سکتی۔'' فرعون کو غصہ آیا۔ اس نے کہا: ''اس کو بھی چومیخا کر دیا جائے۔'' چنانچہ ان کو لٹا دیا گیا، ہاتھوں میں کیل گاڑھ دیے گئے۔ دربار کے لوگ حیران تھے کہ وہ عورت جس کے رعب کی وجہ سے لوگ اس کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے، آج اس کو سارے دربار کے سامنے لٹا دیا گیا۔ جس کے اشارے پر سینکڑوں خادم مرد عورتیں بھاگتے پھرتے تھے، جس کی ہر چاہت پوری کی جاتی تھی، جس پر بادشاہ قربان ہوتا تھا۔ آج اس نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟ ساری نعمتوں کو ٹھوکر ماردی۔

چنانچہ جب ان کو لٹا دیا گیا تو فرعون نے کہا: ''آسیہ! تم یاد رکھو کہ آج کے بعد تم اس محل میں نہیں جا سکو گی۔'' آسیہ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں۔'' فرعون نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ جب تم اس کو لٹانا تو اس طرح لٹانا کہ اس کا چہرہ محل کی طرف رہے۔ یہ محل کو دیکھتی رہے تاکہ اس کو احساس ہو کہ میں کون کونسی نعمتوں سے محروم ہو رہی ہوں؟ چنانچہ ان کو اس رخ میں لٹایا گیا کہ ان کا چہرہ محل کی طرف تھا۔ ان کے دونوں ہاتھوں اور

پاؤں کو زمین میں گاڑھ دیا گیا۔فرعون کو غصہ آیا، بالآخر اس نے ان کا لباس اتروا دیا۔ سوچیے! یہ کتنی بڑی سزا تھی؟ بھرے دربار کے سامنے بی بی آسیہ کو بے لباس کر دیا گیا۔فرعون نے اپنے کچھ لوگ بلوائے اور انہیں کہا کہ تم ان کی زندہ حالت میں کھال اتارنا شروع کر دو۔ انہوں نے کھال اتارنا شروع کر دی۔سوچیے تو سہی! زندہ حالت میں اگر کسی کے بدن کی کھال اتارنا شروع کر دی جائے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ چنانچہ لوگوں نے کھال اتارنا شروع کر دی۔ جب کھال اتاری تو بی بی آسیہ کی روح ابھی نہیں نکلی تھی، مگر پورا جسم زخم بن گیا تھا۔ میں نے ایک کتاب میں یہ بات بھی پڑھی کہ جب اس کو غصہ آیا کہ کھال اتر گئی اور ابھی بھی کچھ سانس باقی ہیں۔تو اس نے کہا: ''مرچیں لاؤ اور اس کے زخم پر مرچیں ڈال دو، تا کہ اس کو اور تکلیف ہو۔'' جب مرچیں ڈالی گئیں تو بی بی آسیہ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگ گئیں۔ اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے محل تھا۔انہوں نے اس وقت اپنے رب سے ایک دعا مانگی، جس کو قرآن مجید میں نقل کیا گیا۔انہوں نے یہ دعا مانگی:

﴿رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ (التحریم:۱۱)

''اے اللہ! فرعون مجھے اس محل سے دھتکار چکا، نکال چکا، اس کے بدلے تیرے قرب میں تیرے پاس جنت میں ایک گھر مانگتی ہوں۔''

اس کے بعد بی بی آسیہ کی روح پرواز کر گئی۔(تفسیر ابن کثیر:۸/ ۱۷۳،۱۷۲)

بی بی آسیہ کی قدر دانی:

اب اللہ تعالیٰ کی قدر دانی دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ گھر تشریف فرما ہیں۔حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کے آخری لمحات ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے آخری آخری باتیں فرما رہے

ہیں۔اس دوران نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:''خدیجہ! جب تم جنت میں جاؤ گی تو میری بیویوں کوسلام کہہ دینا۔'' بی بی خدیجہ حیران ہیں کہ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں دنیا میں آپ کی پہلی بیوی ہوں، جنت میں آپ کی بیویاں کہاں سے آ گئیں؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''آسیہ اور مریم دو ایسی خواتین ہیں جن کو اللہ نے جنت میں میری بیویاں بنا دیا۔لہٰذا جب تم جنت میں جاؤ گی تو میری بیویوں سے میرا سلام کہہ دینا۔

(مختصر تاریخِ دمشق:۷ر۵۰۰،تفسیر ابنِ کثیر: سورۃ التحریم)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ بی بی آسیہ کی دعا تو یہ ہے:

﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ﴾(التحریم:۱۱)

اللہ! مجھے جنت میں اپنے پاس گھر عطا کر دینا۔محل سے دھتکارا گیا ہے، جنت میں گھر دے دینا۔ بی بی آسیہ! آپ نے تو اللہ سے گھر مانگا تھا، اللہ کی قدردانی دیکھو کہ اللہ نے تجھے کیسا گھر والا عطا کیا، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں عطا فرما دیا۔ سبحان اللہ! کتنی قسمت والی ہیں بی بی آسیہ، جن کو جنت میں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ بننے کا شرف نصیب ہوگا۔ پروردگار! آپ کیسے قدردان ہیں کہ مانگنے والی نے صرف گھر مانگا تھا، آپ نے گھر بھی دیا اور جنت الفردوس میں دیا اور گھر والا بھی دیا۔ گھر والا بھی ایسا جس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ وہ پروردگار تو اتنا قدردان ہے!!

مشاطہ کی قدردانی:

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی راستے میں ہی تھے۔ مکہ مکرمہ سے جب آگے جانے لگے تو بلادِ شام میں ایک وادی میں پہنچ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوشبو محسوس ہوئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا:''جبرائیل! مجھے اس جگہ

سے بہت خوشبو آ رہی ہے۔'' عرض کی: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! فرعون کی بیٹیوں کے بال سنوارنے والی عورت کو یہاں دفن کیا گیا تھا۔ یہ اس کی قبر سے خوشبو نکل رہی ہے، جو آپ کو اتنی زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔'' اللہ! آپ کتنے قدردان ہیں!! جو بندہ آپ کے دین پر عمل کرنے کے لیے استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے آپ اس کی کتنی قدردانی کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے کے لیے محنت کریں۔ اس پر عمل کرنے کے لیے ڈٹ جائیں۔ حالات جیسے بھی ہوں، حالات کو مت دیکھیے، اپنے اللہ کی رضا کو دیکھیے! حالات کبھی موافق ہوتے ہیں کبھی مخالف ہوتے ہیں، مگر دین والے تو عمل کرتے رہتے ہیں۔

حالات کا رخ موڑنا سیکھیں!

یاد رکھنا! پانی میں وہی چیز بہتی ہے جو بے وزن ہوتی ہے۔ کاغذ پانی میں بہہ جاتا ہے، تنکے پانی میں بہہ جاتے ہیں، لکڑی پانی میں بہہ جاتی ہے، لیکن چٹانیں پانی کے ساتھ نہیں بہتیں، وہ تو پانی کا رخ موڑ دیتی ہیں۔ تم بے وزن چیز نہ بنو، بلکہ وزنی چیز بن جاؤ۔ اپنے اندر استقامت پیدا کرلو۔ حالات کے ساتھ چلنے کے بجائے حالات کا رخ موڑنا سیکھو۔ اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا: ؎

یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

عزیز طالبات! جنھوں نے سارا سال محنت کی اور ان کی معلمات نے ان پر محنت کی، ان کے لیے وصیت کے رنگ میں نصیحت ہے کہ آپ نے جو دین پڑھا اس پر عمل کر لیجیے۔ جب آپ استقامت کے ساتھ اس پر عمل کریں گی تو اللہ آپ کو دنیا کے اندر بھی

عزتوں بھری زندگی دیں گے اور آخرت میں بھی عزتوں سے نوازیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کی محنتوں، کوششوں کو قبول فرما کر اپنے مقبول بندوں، بندیوں میں شامل فرما لے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

آیئے مطالعہ کریں!

دنیا بھر کی لائبریریوں سے اکابر مشائخ نقشبند کے تلاش کیے گئے تاریخی اور نادر مخطوطات کا
جنہیں سالکینِ طریقت کی رہنمائی کے لیے، حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ترجمہ فرما کر بطورِ خاص شائع کروایا ہے۔
سرخیل مشائخ کی تعلیمات کا یہ حسین مجموعہ، مجموعہ رسائل کے عنوان سے دو جلدوں میں دستیاب ہے۔
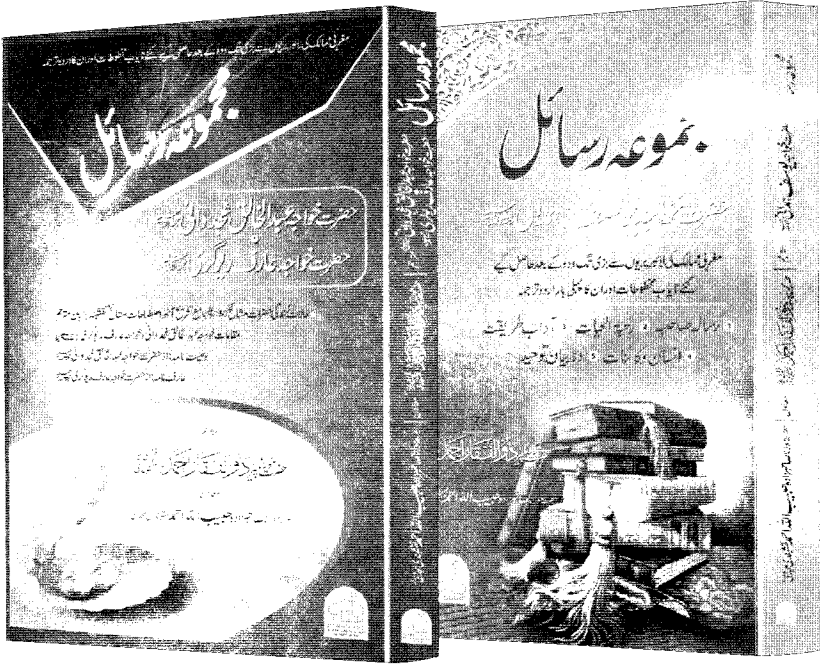
ان کتب کا مطالعہ آپ کو علوم و معارف کی ایک نئی دنیا سے روشناس کرائے گا۔

مکتبۃ الفقیر

041-2618003,041-2649680
0300-9652292,0322-8669680

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

معہد الفقیر الا اسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0315-2402102

مکتبۃ الفقیر بالمقابل رنگون ہال، بہادر آباد کراچی 0345-2331357 (اعجاز)

دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0622442059,0300-7853059

مکتبہ سید احمد شہید لاہور اردو بازار 042-37228272

ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 042-37353255

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 042-37224228

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965

مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539

دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768

علمی کتاب گھر اوجا روڈ، اردو بازار، کراچی 021-32634097

حضرت مولانا گل رئیس صاحب، حضرت قاری سلیمان صاحب (مدظلہم) دار الہدیٰ بنوں

حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 0332-5426392

جامعۃ الصالحات محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ، راولپنڈی 051-5462347

ادارہ تالیفات اشرفیہ فوارہ چوک ملتان 061-4540513 0322-6180738

مکتبہ سید احمد شہید جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک 0923-630964

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003,0300-9652292
041-2649680,03228669680
AlFaqeerFsd@Yahoo.Com